جلد ۱

مجموعہ رسائل

امام المشائخ تاجدار اہلِ سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہ
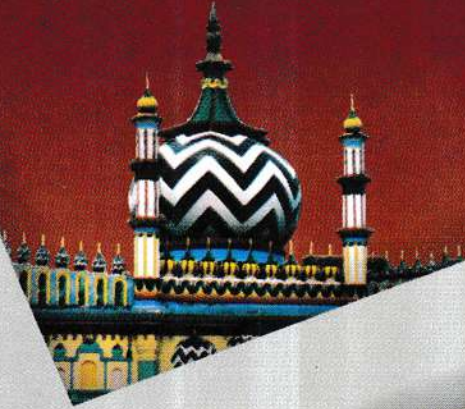
مقتل کذب وکید

نفی العار

مقتل اکذب واجہل

ترتیب جدید
محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

امام احمد رضا اکیڈمی
صالح نگر، رامپور روڈ، بریلی شریف (یو۔پی)

مجموعہ رسائل (جلد ۱)

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز

مقتل کذب و کید

(۱۳۳۲ھ)

نفي العار

عن معايب المولوي عبد الغفار

(۱۳۳۲ھ)

مقتل اکذب واجہل

(۱۳۳۲ھ)

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف (یو۔پی)

سلسلہ اشاعت..................(۸۸)

نام کتاب..................رسائل حضور مفتی اعظم

مصنف.......................تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت امام المشائخ والفقہا
حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب قبلہ نوری بریلوی علیہ الرحمہ

تقدیم، تخریج، ترتیب جدید..........................محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

کمپوزنگ وسیٹنگ..............محمد منیف رضا برکاتی، مولوی زاہد علی شاہدی

سنہ اشاعت باراول..................۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء

تعداد..................................گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت...................................130/-

E-mail: mohdhanif92@gmail.com
Web: www.imamahmadrazaacademy.com
Mob: 08410236467,09760381629

(ملنے کے پتے)

☆ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر رام پور روڈ بریلی شریف، پن 243502
☆ رضا اکیڈمی، ۵۲/ڈونٹاڈ اسٹریٹ کھڑک، ممبئی پن 400009
☆ کتب خانہ امجدیہ ۴۲۵/ے مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶
☆ رضا دار الاشاعت، آنندوہار بریلی شریف (یو۔پی)
☆ قادری بک ڈپو، نواب چوک چھوٹی جامع مسجد اسٹیشن روڈ اسلام پور اتر دیناجپور (بنگال)
☆ جیلانی بک ڈپو، ۱۲۲۹ چوڑی والان، دہلی ۶

پیش لفظ

زیر مطالعہ کتاب تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے تین رسائل کا مجموعہ ہے جن کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مقتل کذب وکید (۱۳۳۲ھ)

مولوی عبدالغفار صاحب رامپوری نے مسئلہ اذان ثانی کے تعلق سے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا "حبل الله المتين لا عدام آثا ر المبتدعين " مگر اس کتاب کا نام دائرہ میں اس طرح لکھا کہ "حبل الله المتين "اوپر، درمیان میں "لا عدام "اور نیچے لائن میں" آثا ر المبتدعين " چونکہ دائرہ میں لکھا جانے والا نام نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، لہذا اب یہ نام "آثا ر المبتدعين لا عدام حبل الله المتين "ہوگیا، حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

دائرہ میں جو نام لکھا جاتا ہے اس میں اکثر قاعدہ یہ ہے کہ مہر کی طرح نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ اخیر میں نام الٰہی ہو کہ اس کی تعظیم کے لیے اسے اوپر رکھا جاتا ہے، مولوی صاحب کا طریقہ ہمیں بہت پسند آیا کہ انھوں نے اپنے رسالہ کا نام دائرہ میں رکھا تو اخیر جز کو جس میں نام الٰہی ہے سطر بالا میں لکھا، حسب قاعدہ نیچے سے شروع کیجیے، پہلے "آثار المبتدعين" ہے، پھر "لاعدام حبل الله المتين" ۔لہذا صاف نام "آثار المبتدعين لاعدام حبل الله المتين" ہے، اور یہی ان کے لائق تھا۔ ع: آن چہ نصیب است بہم می اس

لہذا اب مولوی عبداللہ الغفار صاحب کی اس کتاب کا نام "آثا ر المبتدعين "ہی مشہور ہو گیا، حضور مفتی اعظم نے یکے بعد دیگرے صرف ایک سال میں یعنی ۱۳۳۲ھ میں پانچ رد لکھے:

(۱) صليم الديا ن لتقطيع حباله الشيطا ن ۱۳۳۲ھ (۲) سيف القها ر على العبيد الكفا ر ۱۳۳۲ھ، یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کو تلاش بصار کے بعد بھی حاصل نہ ہوسکیں۔ (۳) نفی العا ر عن معايب المولوى عبد الغفار ۱۳۳۲ھ۔ ہمارے اس مجموعہ میں یہ دوسرے نمبر پر ہے اور آثار المبتدعین کا تیسرا رد ہے۔ (۴) مقتل كذب و كيد ۱۳۳۲ھ۔ یہ پہلے نمبر پر ہے اور نہایت تفصیل سے جواب دیا گیا۔ (۵) مقتل اكذب واجهل ۱۳۳۲ھ۔ یہ پانچواں رد ہے اور مولوی صاحب تحریر کا اس کتاب میں دوسری تحریروں سے بھی اکذب واجہل ہونا اظہر من الشّمس فرمادیا ہے۔ ان تینوں تحریروں کا مطالعہ کیجیے اور حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے وفور علم کا مشاہدہ کر کے خراج عقیدت کے گوہر لٹائیے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی

مختصر حیات مبارکہ   از: محمد حنیف خاں رضوی

سراج السالکین زبدۃ العارفین چشم و چراغ خاندان برکات حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کی عظیم بشارت اور مجدد اعظم دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی کی دعائے جمیل کا مجمع البحرین تھے تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت ابوالبرکات آل الرحمٰن محی الدین مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری بریلوی۔ قدست أسرارهم العاليه۔

ولادت اور نام:

ایک مرتبہ سیدنا اعلیٰ حضرت اپنے مرشد کی بارگاہ اقدس میں مارہرہ مقدسہ کی نورانی حویلی میں رات کو آرام فرماتے تھے، صبح کو فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے اور جب مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگے تو نبیرۂ مرشد اعظم صاحب سجادہ آستانہ برکاتیہ نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ کو مخاطب فرماتے حضرت نور العارفین نے بشارت سنائی اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: مولانا صاحب آپ کے یہاں ایک عظیم فرزند کی ولادت ہوئی ہے، وہ بچہ نہایت مبارک ہے، ہم نے اس کا نام آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی رکھا ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں اس کو داخل سلسلہ کرلوں، آپ نے عرض کیا: وہ آپ کا غلام زادہ ہے، لہذا اس کو غلامی میں قبول فرمالیں۔ حضرت نے بعد نماز فجر مصلی امامت پر ہی غائبانہ مرید فرمایا اور ساتھ ہی اپنا جبہ وعمامہ عطا فرما کر ارشاد فرمایا ہم جلد ہی بریلی آکر اس بچہ کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کریں گے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت نے بریلی شریف آکر ساتویں دن ''محمد'' نام پر آپ کا عقیقہ کیا اور عرفی نام ''مصطفیٰ رضا'' تجویز فرمایا۔

خلافت:

اس نوید وبشارت کے چھ ماہ بعد جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ میں حضرت نور العارفین بریلی تشریف لائے اور آپ کو گود میں لے کر خلافت سے سرفراز فرمایا اور جدید وقدیم تیرہ سلاسل کی اجازت عطا فرمائی، ساتھ ہی ارشاد فرمایا: یہ بچہ مادرزاد ولی ہے، فیض کے دریا بہائے گا۔

اس کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے لخت جگر کو تمام سلاسل کی اجازت عطا کی، اس طرح خاندانِ برکات کے دو چشم و چراغ سے آپ نے بلا واسطہ فیض پایا۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے قرآن کریم کی تعلیم اپنے والد ماجد سیدنا اعلیٰ حضرت، عم محترم حضرت مولانا محمد رضا خاں، برادر مکرم حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہم الرحمہ سے پائی اور فارسی وابتدائی عربی کی تعلیم بھی انہی حضرات سے حاصل کی۔ پھر جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا تو اپنے والد معظم سیدنا اعلیٰ حضرت اور آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے بھی درس لیا۔

۱۔ برادر اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں ۲۔ استاذ الاساتذہ مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری
۳۔ شمس العلما مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری ۴۔ شیخ العلما مولانا سید شاہ بشیر احمد علی گڑھی

آپ کی فراغت ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں بہ عمرِ اٹھارہ سال ہوئی اور والد محترم کے دست مبارک سے دستار حاصل کی، پھر ۱۲؍ سال مجدد اعظم امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر رہے اور جملہ علوم وفنون میں دستگاہ اور مہارت تامہ حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بطور خاص اعلیٰ حضرت اپنی تصانیف کے ذریعہ ردفرق باطلہ کا فریضۃ انجام دے رہے تھے اور علم وعرفان کے دریا بہار ہے تھے۔ اس وقت اپنے والد ماجد کی خدمت میں پورے طور پر شریک کار تھے۔ آپ کی بہت سے تصانیف اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن علوم وفنون کو آپ نے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا تھا ان میں مہارت تامہ اور عبقریت حاصل کرنے کا یہی زمانہ ہے جو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر بلا شرکت غیر آپ کے حصہ میں آیا۔

فتویٰ نویسی:

سیدنا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر آپ نے بطور خاص فتویٰ نویسی کے علم وفن میں بھی مہارت حاصل کی، ان دونوں کا ثبوت آپ کے فتاویٰ اور تصانیف میں موجود ہیں۔

فتویٰ نویسی کا آغاز حیرت انگیز طور پر ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ جب آپ فارغ التحصیل ہوئے تو کسی دن دار الافتا میں تشریف لائے، دیکھا کہ تلمیذ اعلیٰ حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری فتویٰ لکھنے کے سلسلہ میں فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ میں مشغول ہیں، آپ نے فرمایا: فتاویٰ رضویہ دیکھ کر فتویٰ لکھتے ہیں؟۔ ملک العلما نے جواب دیا: اچھا تو آپ بغیر دیکھے لکھ دیں، آپ نے فوراً مراجعت کتب کے بغیر مدلل فتویٰ تحریر فرمادیا، یہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔

فتویٰ جب اصلاح کے لیے مجدد اعظم امام احمد رضا کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ کس نے لکھا ہے؟ عرض کیا گیا: چھوٹے میاں نے، (اس وقت تک آپ گھر اور باہر اسی عرفیت سے مشہور تھے) آپ نے طلب فرمایا: حضور مفتی اعظم حاضر ہوئے تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نہایت مسرور ہیں، پیشانی اقدس سے بشاشت نمایاں ہے۔ فرمایا: اس پر دستخط کرو، دستخط کرانے کے بعد آپ نے تحریری طور پر اس کی تصدیق وتصویب فرمائی اور یوں تحریر کیا:

صح الجواب بعون الملک الوہاب۔ دستخط.........(امام احمد رضا)

ساتھ ہی پانچ روپے انعام میں عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا:

تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتوی لکھا کرو، اپنا ایک رجسٹر بنالو اس میں نقل بھی کرلیا کرو۔

[پندرہ روزہ رفاقت، فروری ۱۹۸۲ء]

مہر جب بن کر آئی تو اس میں تحریر تھا۔

(ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن عرف محمد مصطفیٰ رضا)

فقیہ اعظم شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی فرماتے ہیں:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت کا لکھا اور ان کے آئینہ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا فتویٰ مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔

خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتوے پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ بڑھایا۔ یعنی کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس میں کوئی انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا۔

پھر اس آغاز کا انجام اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد جب اہل ہند اس فقیہ فقید المثال کے بوقت ضرورت فتاویٰ اور بروقت رہنمائی سے محروم ہو گئے تو بریلی کی وہ عظیم مسند افتا جو تقریباً سو سال سے امت مسلمہ کی رہنمائی کر رہی تھی اس کو زینت بخشنے کے لیے اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادگان حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم نے اہم رول ادا کیا۔ مگر حجۃ الاسلام ملک وملت کے دوسرے مسائل حل کرنے میں مصروف ہوئے تو پھر یہ منصب محض آپ کے سپرد ہوا اور اس وقت کے جلیل القدر علما وفقہا نے بالاتفاق آپ کو مفتی اعظم کا خطاب دیا۔ حالاں کہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں سیدنا اعلیٰ حضرت کے جلیل القدر خلفا وتلامذہ موجود تھے۔ اس کے باوجود حجۃ الاسلام کے حکم سے سیکڑوں علما کی موجودگی میں اعلیٰ حضرت کے ساتویں عرس کے موقع پر ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء کو اس عظیم اجتماع میں جو

تجاویز پاس ہوئیں ان کے نمبر (۳) میں آپ کو ''صدر العلما'' اور ''مفتی اعظم'' لکھا گیا۔

[جہان مفتی اعظم ص ۱۲۶]

فقیہ اعظم شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل لکھوائے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے آستانہ پر آنے والے ہزار ہا ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم ، دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ اگر چہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے اور خود زبردست مفتی تھے، مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرمادیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے، اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ اس زمانے میں لوگ دین دار، آج کی بہ نسبت بہت زیادہ تھے۔ ہر معاملے میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہل سنت کے، بہت ہی کم تھے۔ آج بحمدہ تعالیٰ بہ کثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسے میں دار الافتا ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے؟ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی، مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا۔ اس وقت ملک کے طول وعرض میں بہت سے مفتی تھے۔ کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتویٰ میں تھی، نہیں ملتی، اور نہ ملے گی۔

درس وتدریس:

آپ نے فراغت کے بعد ہی سے درس کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا، منظر اسلام میں آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی، آپ کی تدریس کا زمانہ تقریباً چالیس سال ہے، اس زمانہ میں آپ سے درس لینے والی وہ عظیم ہستیاں بھی ہیں جن کو ہندو پاک کے جلیل القدر علما وفضلا میں شمار کیا جاتا ہے اور جو بجائے خود اساطین ملت شمار کیے جاتے ہیں۔

مثلا: شیر بیشہ اہل سنت مناظر اسلام حضرت علامہ مفتی محمد حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی
آپ نے ان کو بخاری شریف کا درس دیا۔

محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا سردار احمد صاحب لائل پوری
ان کو آپ نے قطبی، رضی اور مطول کا درس دیا۔ [جہان مفتی اعظم ص ۱۰۷]

اسی طرح آپ سے دوسرے فقہا اور علما نے استفادہ کیا۔ اور یہ سلسلہ ۱۳۶۵ھ تک رہا۔
چوں کہ آپ کو فراغت کے بعد سے سیدنا اعلیٰ حضرت نے اپنی خدمت میں رکھ لیا تھا جہاں اعلیٰ حضرت

تصنیف وفتویٰ نویسی میں مشغول رہتے تھے، حضور مفتی اعظم آپ کے شریک کار حوالوں کی تتبع تلاش اور اعلیٰ حضرت کے حکم سے تصنیف وتالیف میں مشغولیت، اس بارہ سالہ مدت میں آپ نے بھی متعدد اہم علمی کتابیں تصنیف فرمائیں اور اعلیٰ حضرت کے علم وفضل سے خوب خوب سیراب ہوئے۔

پھر بھی آپ کے تلامذہ ومستفیدین کی بہت بڑی تعداد ہے۔

ملی اور قومی کارنامے:

آپ نے ملک وملت کی حفاظت کے لیے اپنی اسلامی سیاسی بصیرت اور قوم مسلم کے عروج و ارتقا کے لیے حسن تدبیر کو بروئے کار لاکر بروقت رہنمائی فرمائی اور میدان عمل میں تشریف لاکر اپنی رہبری وپیشوائی کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

فضل وکمال:

شہزادۂ محدث اعظم شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں حضور مفتی اعظم ہند کی جلالت علمی کے تعلق سے رقم طراز ہیں: وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔

حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے: ''ھذاحکم العالم المطاع وماعلینا الا الاتبـــاع'' یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین، سند المحققین، سرآمد علما وصوفیا، سراج خانوادہ اشرفیہ تھا بل کہ خود حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت ومحبت اور لازوال نیازمندیوں کا قبلہ وکعبہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کراسکیں گے۔ جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی عالم مطاع واجب الاتباع قرار دے۔ (جہان مفتی اعظم ۳۲۶)

محاسن وخصائل:

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت کو ان خوبیوں سے بھی نوازا تھا جہاں عام طور پر انسان

نہایت محنت ومشقت کے بعد بھی نہیں پہنچ پاتا۔ پھران پر آپ کے کسبی خصائل ومحاسن جو آپ کی طبیعت میں ایسے راسخ ہو گئے تھے کہ گویا یہ آپ کی فطرت میں ودیعت ہے۔

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسبی کمالات کے لیے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، اہل دل صوفی اور باکمال بزرگ تھے، بل کہ میرے نزدیک معمولات ذکروفکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ وتقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد وہدایت کے لیے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے۔ داد و دہش اور بذل و عطا میں شاہانہ انداز تھا۔ مدتوں مدرسہ مظہر اسلام ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا۔ انھوں نے ہزاروں مقدمات کا منصفانہ فیصلہ فرمایا۔

روحانیت:

ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم کب حج کے لیے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انھیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ انھوں نے عیدگاہ میں عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے، میں نے خود پڑھی۔ سب حاضرین نے متفق اللفظ ہوکر یہی بتایا۔ انھوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کررہے ہیں۔ میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجد حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ منورہ، مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مواجہہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمھیں دھوکا ہوا ہوگا۔ حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے حج کے لیے نہیں گئے تھے مگر انھوں نے پھر بتاکید کہا دھوکا کیسا؟ میں قسم کھاکر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے۔ ان کی دست بوسی کی۔ بات چیت کی اور بلا کسی شبہ کے مسجد نبوی اور مواجہہ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا۔ سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے انھیں بہت پیار سے دیکھا، جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسب عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیے۔ حاجی

صاحب دم بخود بیٹھے، ٹکٹکی باندھے، حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا : حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھیے گا۔ اسی سے متاثر ہوکر یہ حاجی صاحب مرید ہوگئے۔

تعویذ نویسی:

خدمت خلق کے متعدد شعبے ہیں: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا یہ عمل نہایت پسند ہیں کہ وہ اس کے بندوں کی خیر خواہی میں لگے رہیں: حضور مفتی اعظم کی تعویذ نویسی بھی بلاشبہ محض خدمت خلق کے لیے تھی اور اس میں جو خوبیاں تھیں وہ آپ پر بخوبی منکشف تھیں، لہذا آپ کی تعویذ نویسی محض ٹالنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ خاص اہتمام کے ساتھ فنی اصول کے تحت تعویذ رقم فرماتے تھے۔

وصال اقدس:

آپ کی حیات مقدسہ کا لمحہ لمحہ سنت رسول کی پیروی سے عبارت تھا، فرائض و واجبات پر تو نہایت شدت سے عمل فرماتے ہی تھے ساتھ ہی سنن بلکہ مستحبات پر بھی پابندی سے عمل فرماتے رہے، آخری ایام میں غذا نہایت قلیل ہوگئی تھی جس کی وجہ سے نقاہت بڑھتی گئی، آخری دن یعنی ۱۳ رمحرم بدھ کو فرمایا: آج کون سا دن ہے اور جمعہ کب ہے۔ اس دن آپ نے باقاعدہ وہ کلمات بھی ادا فرمائے جو مرید کرتے وقت فرماتے تھے حالانکہ مرید ہونے والا بظاہر کوئی نہیں تھا، پھر باقاعدہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور فرمایا: کہو میں نے اپنا ہاتھ حضور غوث پاک کے ہاتھ میں دیا۔ پھر ان دعاؤں کو پڑھا جو مرید کرنے کے بعد پڑھتے تھے، اس طرح آپ نے اجنہ، رجال الغیب اور ان تمام لوگوں کو بیعت فرمالیا جو آپ سے بیعت ہونا چاہتے تھے، پھر آپ کی روح پاک قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ واقعہ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی چودھویں شب ۱/۴۰ بجکر چالیس منٹ کا ہے۔

۱۵ رمحرم الحرام بروز جمعہ بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں لاکھوں سوگواروں نے نماز جنازہ ادا کی اور خانقاہ عالیہ رضویہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

اذانِ خطبہ کے مباحث کا خلاصہ

مولانا مفتی عبدالحق رضوی مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مفتی اعظم، شہزادہ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں، قادری نوری قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جن کی علمی شوکت وجلالت، عظمت و بزرگی، تقویٰ وطہارت کا اعتراف اپنے تو اپنے بیگانے بھی کرتے ہیں اور آپ کے فضائل وکمالات، علم وتقویٰ کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے۔

الحمدللہ میری زندگی کے انتہائی مبارک ومسعود وہ ایام تھے کہ اس حقیر کو اپنے مرشد گرامی شہزادہ اعلیٰ حضرت کی معیت میں کامل دس شب وروز رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور بہت قریب سے آپ کے معمولات دیکھنے اور ارشادات سننے کا موقع ملا۔ بلاشبہہ آپ کی پوری زندگی شریعت و سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی زندگی میں جن چند بزرگوں کی زیارت کی اور ان کے ساتھ زندگی کے کچھ قیمتی لمحات گزارے ہیں اور جن کی ولایت و بزرگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے اس مبارک جماعت اولیا کے سرخیل وسردار سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

اپنے دور کے علما ومشائخ میں بلاشبہہ آپ کی ذات ملجائے خواص وعوام اور مرجع اصاغر واکابر تھی۔

بخاری ومسلم میں صاحبِ اسرار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ ہم لوگ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس تھے۔ حضرت عمر نے مجھ سے اور مجلس میں موجود دیگر صحابہ کرام سے پوچھا کہ فتنے کے تعلق سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی حدیث کس کو یاد ہے؟ تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا مجھے زیادہ یاد ہے؟ اس کے بعد کچھ فتنوں کا آپ نے تذکرہ کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا : فتنوں سے ہماری مراد وہ فتنے نہیں جو آپ بیان فرما رہے ہیں بل کہ میری مراد وہ فتنے ہیں" التی تموج کموج البحر " یعنی جو سمندر کی طرح موجیں ماریں گے تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ کو کیا ضرورت ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں سوال کی زحمت فرمائیں؟ آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان دروازہ بند ہے۔ فاروق اعظم نے پوچھا دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ تو حضرت حذیفہ نے کہا نہیں بل کہ توڑا جائے گا۔ تو اس پر فاروق اعظم نے کہا کہ تب تو فتنوں کا دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا۔

حضرت مسروق نے حذیفہ بن یمان سے دروازے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ دروازہ عمر بن خطاب ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی ذات والا صفات اسلام اور مسلمانوں کی نصرت وحمایت اور حفاظت و صیانت کے لیے ایک عظیم سپر اور چٹان تھی اور دورِ فاروقی اسلام اور مسلمانوں کی شوکت وعروج کا انتہائی روشن وزریں دور تھا جس کی اقوام وملل کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے۔ لیکن فاروق اعظم کی شہادت کے بعد سے بتدریج فتنوں کا جو دروازہ کھلا ہے وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

جن حضرات کے سامنے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے ماضی قریب کے تقریباً نصف صدی کے حالات ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سرکار مفتی اعظم، تاجدار اہل سنت کی ذات گرامی بلاشبہ جماعت اہل سنت کے لیے ایسی بافیض اور بابرکت ذات تھی کہ آپ کی حیات تک جماعتی تمام فتنوں کا دروازہ بند تھا۔ آپ کے دور کے اصاغر ہوں یا اکابر، عوام ہوں یا خواص کسی کے اندر یہ جرات نہیں تھی کہ علم بغاوت بلند کر سکے، جس سے جماعت میں افتراق وانتشار ہو اور اپنے لوگ مختلف گروپوں میں بٹ جائیں۔

اہم سے اہم فقہی، دینی، ملی مسائل میں آپ کا ارشاد سند کا درجہ رکھتا تھا اور آپ کا حکم حرف آخر ہوتا تھا۔

یقیناً حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کی ذات، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی اور فتنوں سے تحفظ فراہم کرنے میں فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرتو اور عکس جمیل تھی اور ماضی قریب کے علما اور مشائخ میں تاجدار اہل سنّت کا مبارک لقب آپ ہی کے فرقِ اقدس پر زیب دیتا ہے اور آپ کی ذات بابرکت کے سوا دوسرے لوگوں کے لیے اس مبارک لقب کا استعمال، لفظ کا بے جا استعمال اور زیادتی محسوس ہوتی ہے۔

ناشر سنّیت، محبّ رضویت الحاج محمد سعید نوری صاحب زید مجدہم کے ممنون ہیں کہ انھوں نے مرشد برحق، تاجدار اہل سنت پر مضمون لکھنے کی دعوت دے کر احسان فرمایا حالاں کہ ہم غلاموں پر تو ویسے ہی لازم وضروری تھا کہ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک حلیہ جمال اور آپ کے فضل وکمال کو جہاں تک ہو سکے، امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں تاکہ مسلمانوں کی ہدایت ورہنمائی کا کام انجام پا سکے اور قوم مسلم بارگاہِ سرکار مفتی اعظم سے مسلسل اکتساب فیض کرتی رہے۔

احیائے سنت اور خانوادہ اعلیٰ حضرت:

اذان خطبہ کا صحیح محل ومقام کیا ہے: اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ سے اس کا استفتا ہوا۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا۔ یہ اذان مسجد میں مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی علمائے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کے خلاف کیا، علمائے اہل سنت میں بھی متعدد لوگوں نے آپ کی مخالفت کی۔ خاص طور سے علما بدایوں اور علمائے رام پور سے اذان خطبہ کے معاملے میں شدید ٹکراو رہا۔ علمائے بدایوں نے اذان خطبہ کے مسئلے کو اپنی عزت ووقار کا مسئلہ بنالیا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا موقف اس قدر مدلل اور مستحکم تھا کہ آپ کے دلائل کے سامنے مخالفین کے شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس سے زچ ہو کر مخالفین خاص طور سے علمائے بدایوں نے آپ کو تکلیف پہونچانے میں حتی المقدور کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔ جہاں تک میری معلومات ہے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں جتنی تکلیف علمائے بدایوں نے پہونچانے کی کوشش کی ہے اتنی تکلیف شاید کسی نے بھی نہ پہونچائی ہو۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا جب

پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو آپ نے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا۔ آپ عرض کرتے ہیں:

عدو بد دین مذہب والے حاسد
تو ہی تنہا کا زور دل ہے یا غوث

حسد سے ان کے سینے پاک کر دے
کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث

غذائے دق یہی خوں استخواں گوشت
یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث

دیا مجھ کو انھیں محروم چھوڑا
مرا کیا جرم حق فاصل ہے یا غوث

عطائیں مقتدر غفار کی ہیں
عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

دونوں طرف سے متعدد رسائل اور کتابوں کا تبادلہ ہوا، انھیں رسائل میں اذان من اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، حق نما فیصلہ، سلامت اللہ لاہل السنۃ، ازاحۃ العار، تعبیر خواب، سد الفرار وغیرہا رسائل شائع ہوئے جن میں تھانوی صاحب بشمول علمائے رام پور پر ڈیڑھ ہزار اور علمائے بدایوں پر ساڑھے تین سو کے قریب ایرادات و اعتراضات ہیں۔ اس علمی و قلمی جہاد میں اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادے حضرت حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ آپ کے شریک کار رہے اور اس مسئلے کو ان حضرات نے اس قدر مدلل اور مبرہن فرما دیا ہے کہ جس میں نہ تو موافق کے لیے زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ مخالف کے لیے مجال دم زدن۔ جس کا جی چاہے اس موضوع پر ان مطبوعہ رسائل و کتب کا مطالعہ کر کے اس بات کی تصدیق حاصل کر سکتا ہے۔

فیصلہ کن نکات:

اذان خطبہ کہاں ہونی چاہیے اور اس کا صحیح محل کیا ہے؟ اس کے تصفیے کے لیے مندرجہ ذیل نکات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جو شخص بھی اس مسئلہ کو کما حقہ سمجھنا چاہے، اسے ٹھنڈے دل

سے ان پر غور کرنا چاہیے اور ہمیں امید ہے کہ جو بھی عصبیت اور عناد سے خالی ہو کر غور کرے گا حق اس پر واضح ہو جائے گا اور وہ یقیناً ہمارے موقف کی تائید و توثیق کرے گا۔ درج ذیل نکات اعلیٰ حضرت اور سرکار مفتی اعظم اور دیگر علماے اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اوّل : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوتی تھی جب حضرت عثمان غنی کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی تو انھو ں نے ایک اذان کا اضافہ مقام زورا پر فرمایا۔ پہلی اذان کے اضافے کے بعد بھی اذان خطبہ دروازہ مسجد پر باہر ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے گھسیٹ کر منبر کے سامنے نہیں لائے۔ وہیں رہنے دیا۔

حدیث شریف میں ہے:

کان یوذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔ رواه ابوداود عن السائب بن یزید رضی الله تعالیٰ عنه وامام الائمة ابن خزیمة فی صحیحهٖ۔

(ابوداود شریف، ج ا/ ۱۵۵۔ باب نداء یوم الجمعہ)

جمعہ کے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی، یوں ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ہوتی رہی۔

ثانی : فقہا نے فرمایا ہے:

لا یوذن فی المسجد۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔

(خلاصہ، خزانہ، خانیہ، البحر الرائق، فتح القدیر، ہندیہ، شرح نقایہ)

الاذان انما یکون علی المئذنة او خارج المسجد والاقامة فی داخله۔

اذان صرف مئذنہ پر یا مسجد کے باہر ہو اور اقامت مسجد کے اندر
(غنیۃ المستملی: ص ۲۷۷)

لکراھۃ الاذان فی داخلہ ۔ کیوں کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔
(فتح القدیر ثانی: ص ۲۹)

یکرہ ان یوذن فی المسجد ۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔
(نظم امام زندویشی، قہستانی طحطاوی علی المراقی/ ۱۹۷)

ان ارشادات میں نہ اذان پنج گانہ کی تخصیص ہے اور نہ اذان خطبہ کا استثنا اس لیے یہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے اذان خطبہ کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی مسجد کے اندر دینا ممنوع اور مکروہ ہے۔

ہر طالب حق مخالفین کی پوری کتاب پڑھ جائے۔ مخالفین کہیں ان نصوص میں تخصیص یا اذان خطبہ کے استثنا پر ایک بھی کسی فقیہ کا قول پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔

ثالث: یہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد مبارک میں اور خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے کوفے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر دلوائی۔

اور کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو بار بھی یہ اذان مسجد کے اندر دلوائی ہو۔ اگر اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا جائز ہوتا تو کبھی ایک دو بار ہی سہی بیان جواز کے لیے یہ اذان مسجد کے اندر دلواتے۔

اہل علم پر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ اذان خطبہ بیرون مسجد دینے کی سنت مردہ ہو چکی تھی۔ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اور آپ کے دونوں شہزادوں کو مرحمت فرمائی اور حسب فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من تمسك بسنتی عند فساد

امتی فله اجر مائة شهید۔

(مشکوۃ شریف، ص ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس البرکات، مبارک پور)

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت ہماری سنت اختیار کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ لہٰذا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور آپ کے دونوں صاحبزادگان اس بشارت کے مستحق ہوئے۔ اور احیاے سنت کرنے والوں کو کیوں سو شہیدوں کا اجر و ثواب نہ ملے۔ شہید تو ایک مرتبہ تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور احیاے سنت و نکایت بدعت کرنے والا تو مسلسل طعن و تشنیع کے نیزوں سے زخمی ہوتا رہتا ہے۔ نہ صرف زندگی میں بل کہ بعد موت بھی۔ اس لیے احیاے سنت کرنے والوں کے لیے سو شہیدوں کا ثواب عین تقاضاے عدل و حکمت ہے۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم

رابع: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان کا اضافہ کیا اور اسے زوراء پر دلایا یہ تو ثابت ہے مگر اذان خطبہ وہاں سے ہٹائی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانہ سے ہوتی آئی تھی؟ اس بارے میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت نہیں اور نہ کوئی صاحب قیامت تک پیش کر سکتے ہیں اور اصل ابقاء ما کان علی ما کان ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انھوں نے اذان خطبہ اسی جگہ رہنے دی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانے سے ہوتی آئی تھی اور اس پر نص زرقانی علی المواہب کی درج ذیل عبارت ہے۔

لما كان عثمان امر بالاذان قبله على الزرواء ثم نقله هشام الى المسجد اى امر بفعله فيه و جعل الآخر الذى بعدجلوس الخطيب على المنبر بين يديه بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ما كان بالزوراء فحوله الى المسجد على المنار۔

(امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی، ج ۷/ص ۴۲۵)

جب حضرت عثمان غنی خلیفہ ہوئے اذان خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں زوراء پر دلوائی۔ پھر اس پہلی اذان کو ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کر دیا۔ یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا۔ اور دوسری جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی، وہ خطیب کے مواجہہ میں رکھی

یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی۔ اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہیں کی بخلاف بازار والی اذان اول کے کہ اسے مسجد کی طرف منارے پر لے آیا۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین -

(الترغیب والترہیب للمنذری، حدیث:۵۸، دار ابن حزم، بیروت)

میری اور میرے خلفاے راشدین کی پیروی اور اتباع تم پر لازم ہے۔ اسی سے مخالفین کا یہ خیال اور نکتہ آفرینی باطل ہوگئی کہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے جو پہلی اذان سے حاصل ہو چکا۔ دوسری اذان حاضرین کے چپ کرنے کے لیے ہے۔ ان حضرات کو اس کا بھی خیال نہ رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور خلفاے راشدین اور صحابہ کرام کے اجماعی عمل کے مقابلے میں نکتہ آفرینی کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و جملہ صحابہ کے عمل اور فقہا کے ارشاد کو رد کر رہے ہیں اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ یہ اذان ہے اور ہر اذان غائبین کے اعلام کے لیے ہے آج تک کسی فقیہ نے یہ نہ لکھا کہ یہ حاضرین کے انصات کے لیے ہے اس لیے کہ پھر یہ اذان ہی نہ رہے گی۔

خامس: پہلے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھا لیجیے کہ اذان خطبہ اعلام صلاۃ کے لیے ہے جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اور علامہ محمد ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں فرمایا:

ولم يقل بدخول الوقت ليعم الفائتة و بين يدى الخطيب

(جلد اول ص ۲۵۶ - علی ہامش ردالمحتار)

(اذان اعلام مخصوص ہے) دخول وقت کی قید نہیں لگائی تا کہ فائتہ اور اذان خطبہ کو عام ہو جائے اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

ای اعلام بالصلوٰة ای ليعم الاذان اذان الفائتة و الاذان بين يدى الخطيب (ایضاً)

اذان نماز کا اعلام ہے۔ (دخول وقت کی قید نہیں لگائی) تا کہ فائتہ اور خطبے کی اذان کو

بھی عام ہو جائے۔ جب فقہاے کرام نے اذان کی تعریف اعلام کے ساتھ کی ہے اور تعریف کا ہر جز معرف کا رکن ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ اعلام اذان کا رکن ہے۔

اور اگر اذان میں اعلام نہ ہو تو وہ اذان ہی نہیں۔ اس کی تائید ردالمحتار کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔ای لا یسمی اذاناً شرعا لعدم الاعلام اصلاً۔

(جلد اول ص ۲۵۶)

اس کا اذان نام نہیں رکھا جائے گا کیوں کہ اس میں بالکل اعلام نہیں۔ لہٰذا اذان خطبہ کو اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا صرف اعلام حاضرین کے لیے جاننا ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے۔ اوپر معلوم چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمانی غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لیے تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا اور مسجد میں اذان دینے سے اعلام غائبین نہ ہوگا اور جو شی اپنے مقصود سے خالی ہو جائے باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں۔ امام محمد بن الحاج نے مدخل میں نہی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم کی ہے۔ فرماتے ہیں:

فصل :فی النھی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار و علی سطح المسجد و علی بابه و اذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوه۔ احدها انه لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیه فلافائدة لندائه لان ذلك تحصیل حاصل و من کان فی بیته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع ۔ الثالث ان الاذان فی المسجد فیه تشویش علی من هو فیه یتنقل او یفعل غیر ذلك من العبادات التی بنی المسجد لاجلها وما کان بهذه المثابة فیمنع لقوله علیه الصلاة والسلام لاضرر و لا ضرار ۔اه مختصرا۔ (ج ۲۔ص ۳۴۶، مکتبہ دارالتراث، القاہرہ)

اندرون مسجد اذان سے ممانعت کے بیان میں یہ فصل ہے۔اور ماقبل میں گزر چکا کہ

اذان کے لیے تین جگہیں ہیں۔(۱) مینار(۲) سطح مسجد(۳) دروازہ مسجد۔اور جب معاملہ ایسا ہے تو اندرون مسجد اذان دینا چند وجوہ سے ممنوع ہوگا۔پہلی وجہ یہ ہے کہ اندرون مسجد اذان دینی اسلاف میں سے کسی کا فعل نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز کے واسطے مسجد کی طرف پکارنے اور بلانے کے لیے ہے اور جو لوگ مسجد کے اندر پہلے سے موجود ہیں تو ان کو پکارنے میں کوئی فائدہ نہیں بل کہ وہ تحصیل حاصل ہے اور جو لوگ اپنے گھر میں ہیں وہ عموماً اندرون مسجد ہونے والی اذان کو سن ہی نہ پائیں گے اور جب اذان اندرون مسجد اس طور پر ہے تو اس اذان سے کوئی فائدہ نہیں اور جس چیز میں کوئی فائدہ نہ ہو وہ ممنوع ہوگی۔تیسری وجہ یہ ہے کہ اندون مسجد اذان دینے سے ان لوگوں کو۔تشویش میں مبتلا کرنا ہے جو مسجد میں نفل وغیرہ پڑھ رہے ہیں یا ایسے کاموں میں مشغول ہیں جن مقاصد کے لیے مسجد کی تعمیر کی گئی ہے اور جس چیز کی یہ شان ہو اس کو روک دیا جائے گا اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ ضرر دوسرے کو دو اور نہ دوسرا تمھیں ضرر پہنچائے۔

سادس : مخالفین کے سارے استدلال کی بنیاد اس مغالطہ عامۃ الورود پر ہے کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہیں۔صرف اعلام حاضرین کے لیے ہے،اس لیے کہ پہلی اذان سے اعلام غائبین کا مقصد پورا ہو گیا تو اب اذان خطبہ صرف اعلام حاضرین کے لیے ہی رہی۔اگر چہ بنظر دقیق یہ بھی ہمیں مضر نہیں اس لیے کہ دنیا کی دو چار مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کے اس خارجی حصے میں اذان دی جائے جو مسجد کے متصل ہو تو آواز پوری مسجد میں پہونچ جائے گی اور سب حاضرین کو اعلام ہو جائے گا۔اور جب خطبہ کی اذان جو خارج مسجد اعلام غائبین کے لیے ہوتی ہے،اعلام حاضرین کے منافی نہیں ہے تو اس اذان کو لا یوذن فی المسجد۔یکرہ ان یوذن فی المسجد کے اطلاق وعموم سے خارج ہونے کی دلیل بتانا۔سفاہت اور مکابرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے، اس پر ہمارے علمائے کرام نے متعدد وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

(۱) مقصد اذان فقہا کی تصریحات کے مطابق اعلام غائبین ہے اور جب مطلق اذان کا مقصد اعلام غائبین ہے اور اذان خطبہ بھی اذان ہے تو اس کا مقصد بھی اعلام غائبین ہوگا کیوں کہ جو حکم مطلق کے لیے ہے وہی اس کے ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ کچھ افراد کا استثنا اسی درجے کی دلیل سے ہو جس درجے کی دلیل سے مطلق کا حکم ثابت ہے، مطلق اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس پر فقہاء کا اجماع ہے اور اذان خطبہ کا استثنا کسی فقیہ نے کہیں نہیں کیا ہے۔ مخالفین اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کسی فقیہ کا کوئی قول نہیں دکھا سکے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔

(۲) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس پر روشن دلیل البحر الرائق کی درج ذیل عبارت ہے۔

تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعة لانه لاعلام الغائبین فتکرارہ مشروع لاحتمال سماع بعض دون بعض ۔ (البحر الرائق جلد اول، ص ۲۷۸)

اذان کی تکرار مشروع ہے جیسا کہ اذان جمعہ میں ہے اس لیے کہ یہ اعلام غائبین کے لیے ہے تو اس کی تکرار مشروع ہے کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ پہلی اذان کچھ لوگوں نے نہ سنی ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس لیے کہ اعلام غائبین تکرار کے مشروع ہونے کی علت ہے۔ اور انتفائے علت انتفائے معلول کو مستلزم ہے تو اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو لازم کہ سرے سے مشروع ہی نہ ہونا جائز و ممنوع ہو۔

(۳) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس پر دلیل تنویر الابصار اور درمختار کی یہ عبارت ہے۔

ھو شرعا اعلام مخصوص للصلوٰة ولم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتة و بین یدی الخطیب ۔ (درمختار، ج ۱۔ ص ۲۵۲)

اذان شریعت میں اعلام مخصوص ہے یعنی نماز کے لیے، یہ نہیں کہا دخول وقت کے لیے تاکہ فائتہ اور خطیب کے سامنے والی اذان کو بھی عام ہو جائے۔

اعلام کا متعلق محذوف ہے یعنی یہ مذکور نہیں کہ کس کے اعلام کے لیے ہے۔ مگر دین سے

ادنیٰ واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ غائبین کے اعلام کے لیے ہے اور یہ تعریف مطلق اذان کی ہے ۔علامہ حصکفی نے اس میں اذان خطبہ کو بھی داخل مانا تو ثابت کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے۔

(۴) اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل ہدایہ۔ بدائع صنائع کی یہ عبارت ہے: واذن الموذنون بین یدی المنبر.

(ہدایہ اولین ص ۱۵۱، بدائع صنائع، ج ۱- ص ۲۷۰)

اور چند موذن منبر کے سامنے اذان دیں۔

ردالمحتار میں علامہ شامی نے اسے بدعت حسنہ کہا۔ عنایہ کفایہ میں اس کا فائدہ یہ بتایا۔

لتبلیغ اصواتهم الی اطراف المصر الجامع ۔

(برحاشیہ فتح القدیر، ج ۲۔ ص ۳۹)

چند موذن اس لیے اذان دیں تا کہ ان کی آوازیں شہر کے تمام اطراف میں پہنچ جائیں۔ اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو شہر کے اطراف میں آواز پہونچانے کی کیا حاجت؟

(۵) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان جمعہ ہوتے ہی جمعہ کے لیے سعی واجب ہے یعنی خرید وفروخت سب دینوی کام چھوڑ کر نماز جمعہ کے لیے چل دینا۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾

(سورہ جمعہ ۶۲/ ۹)

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چلو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔

علما کا اس میں اختلاف ہے۔ اس خصوص میں اذان اوّل کا اعتبار کیا جائے یا اذان ثانی کا؟ دونوں قول ہیں۔ امام الفقہا والمحدثین امام ابوجعفر طحاوی، امام شیخ الاسلام، امام ملک العلما ابوسعود کاشانی کا مختار یہ ہے کہ اذان خطبہ کا اعتبار ہے۔ امام سرخسی اور جمہور فقہا کا مختار یہ ہے کہ

اذان اول کا اعتبار ہے۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں صرف اذان خطبہ تھی اس لیے۔ ارشاد باری: ﴿اِذَا نُودِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ﴾ سے اس کا مراد ہونا متعین ہے۔

فریق ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اگر اذانِ اول ہوتے ہی لوگ جمعہ کے لیے نہ چلیں تو ان کی سنتیں فوت ہو جائیں گی اور خطبہ بھی کچھ حصہ بل کہ خطرہ ہے کہ کل خطبہ بل کہ نماز بھی نہ ملے ۔اس دلیل کی بنیاد لوگوں کے ساتھ رفق وسہولت پر ہے۔

فریق اول کی بات دلیل کی رو سے بہت باقوت ہے اس لیے کہ جب عہد رسالت میں صرف اذان خطبہ ہی تھی تو ارشاد ربانی: ﴿اِذَا نُودِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ﴾ سے اس کا مراد ہونا متیقن ہو گیا اور جب عہد نبوی میں قرآن مجید کے کسی کلمہ کی مراد متعین ہو جائے تو اسی کو مراد لینا ضروری ہوتا ہے۔

رہ گیا ہمارے جمہور ائمہ احناف کا قول ثانی کو اختیار کرنا عوام کی آسانی اور ان کے ساتھ رفق کی وجہ سے ہے۔

اس استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ وجوب سعی میں اذان خطبہ کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بلا کسی تردد کے اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے ورنہ وجوب سعی میں اس کا اعتبار لغو ہوگا۔ رہ گئے جمہور فقہا جو اذان اول کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اگر ان کے نزدیک یہ اذان اعلام غائبین کے لیے نہ ہوتی تو قول مخالف کی تزئیف میں یہ فرماتے کہ وجوب سعی میں اذان خطبہ کا کیسے اعتبار ہوگا؟ وہ تو مسجد کے منبر کے متصل خطیب کے سر پر ہوتی ہے۔ یہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، یہ اعلام غائبین کے لیے ہے ہی نہیں کہ مسجد سے غائب لوگ اسے سن کر مسجد میں آئیں۔ اپنے مذہب مختار کی ترجیح میں فرمایا تو یہ فرمایا۔

اگر اذان خطبہ کا اعتبار ہوگا تو سنتیں چھوٹ جائیں گی اور بسا اوقات خطبہ بل کہ جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔ اس طرح دونوں قول پر اذان خطبہ کا اعلام غائبین کے لیے ہونا ثابت۔

اور جب بہ دلائل شرعیہ ثابت ہو گیا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اور کسی بھی اذان کا مسجد کے اندر دینا مکروہ وممنوع۔ تو یہیں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ہمارے فقہائے کرام کے ارشاد: لایوذن في المسجد. مسجد میں اذان نہ دی جائے ۔یکرہ أن یوذن في المسجد . مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ لکراھة الأذان في المسجد اندرون مسجد اذان کے مکروہ ہونے کے باعث ۔ یہ ارشادات اذان خطبہ کو بھی ضرور عام اور پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی اندرون مسجد دینا بلاشبہہ مکروہ وممنوع۔

سابع : مخالفین اس پر بہت زور دیتے ہیں کہ اذان خطبہ کا مسجد کے اندر ہونا وہ بھی منبر کے متصل خطیب کے سر پر متوارث ہے۔ اس پر گزارش یہ ہے کہ توارث وہی حجت ہے جو عہد صحابہ اور مجتہدین سے الی یومنا ہذا ہو۔

ردالمحتار خاص باب الجمعہ میں فرمایا:

لا عبرة بالعرف الحادث اذاخالف النص التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذاکان عاما من عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به۔ (ج ۳۔ص ۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عرف حادث کا اعتبار نہیں جب نص کے مخالف ہو۔ رواج اسی وقت جواز کی دلیل ہے جب زمانہ صحابہ ومجتہدین سے عام طور پر چلا آیا ہو جیسا کہ علما نے تصریح فرمائی ہے۔

مسجد کے اندر اذان خطبہ دینے کا رواج نہ عہد رسالت میں تھا نہ عہد صحابہ میں نہ عہد تابعین میں اور آج بھی پوری دنیا کے مسلمانوں میں اس کا رواج نہیں۔

ابوداود شریف کی حدیث جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے جس کو شروع مقالہ میں نقل کر چکا ہوں، اس سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اور بعد میں بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہی ۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان زوراپر دلوائی مگر یہ اذان وہیں رہنے دی، جہاں پہلے سے ہوتی تھی۔

ابوداود شریف کی حدیث کے آخری کلمات یہ ہیں۔

فثبت الامر علی ذلك۔

(باب النداء یوم الجمعہ، حدیث ۱۰۸۳۔ص ۱۹۳/ داراحیاء التراث الاسلامی، بیروت)

لہٰذا اس سے ثابت کہ زورا پر اذان اول کے اضافے کے باوجود یہ اذان خطبہ دروازہ مسجد پر ہوتی رہی اور جب یہ ثابت ہوا کہ اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی تو جب تک اسی درجہ کی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ دروازے سے ہٹا کر منبر کے متصل اس کو کردیا گیا، یہی ثابت رہے گا کہ یہ اذان اپنی جگہ رہی۔ اصل کے خلاف دلیل ضروری ہے۔

اور بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اذان خطبہ کی جو جگہ اور مقصد (یعنی اعلام غائبین) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کریمین سے ثابت اور مستمر ہو اس کو تبدیل کرنے کی جرات حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کریں؟ ایک خلیفہ راشد کے سر اتنا بڑا الزام واتہام سخت جرات و بے باکی ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ زوراء پر اذان کے اضافے کے بعد بھی یہ اذان وہیں رہی جہاں عہد رسالت سے ہوتی آئی تھی۔ مسجد حرام شریف میں یہ اذان آج بھی کنارہ مطاف پر ہوتی ہے اور مسجد حرام پہلے مطاف ہی تک تھی۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اذان کا محاذاۃ امام میں بھی ہونا ضروری نہیں بل کہ یہ بھی دوسری اذانوں کی طرح وہیں دی جائے جہاں سے پڑوسیوں کو زیادہ سنائی دے مثلاً منارے پر اسی کے مطابق بلاد مغرب میں یہ اذان مناروں پر ہوتی ہے۔ (تفصیل کتب مالکیہ میں مذکور ہے)

اس سے ثابت کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ عمل نہیں کہ یہ اذان منبر کے متصل دی جائے اس لیے توارث کو اس کی دلیل بنانا باطل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا اجماع رہا کہ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ اب اگر بفرض محال آپ یہ ثابت بھی کردیں کہ اس کے بعد اس پر اجماع ہوگیا کہ یہ اذان منبر کے متصل ہو تو پھر اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اعلیٰ حضرت اور احیاے سنت:

اس بحث کے اختتام پر ختام المسک کے طور پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد

رضا قدس سرہ العزیز کی ایک عبارت ہدیہ قارئین ہے۔

اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں اور اس ادعاے توارث کا حال بھی کھل جائے۔ سنن ابی داود شریف میں بسند حسن مروی ہے

حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحاق عن الزهری عن السائب بن یزید رضی الله تعالیٰ عنه قال کان یوذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر ۔

(ج ۱ ۔ص ۱۵۵ ،باب النداء یوم الجمعه)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اس حدیث جلیل نے واضح کر دیا کہ اس روبروے امام پیش منبر کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ کہ زمانہ رسالت و خلفاے راشدین سے کیا متوارث ہے؟ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نص حدیث سے جدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں، حالاں کہ وہاں تو ان تصریحات ائمہ کے مقابل بین یدی وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں۔ پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے؟

الحمد للہ یہاں اس سنت کریمہ کا احیارب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں موذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بحمد اللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم میں ہوا کرتی تھی۔ ذلك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم والحمدلله رب العالمین ۔

(أو فی اللمعة فی اذان یوم الجمعة ص ۷)

حدیث ابوداؤد اور مفتی اعظم کی نکتہ آفرینی:

ماقبل میں گزر چکا کہ اذان خطبہ کے تعلق سے جو شدید قلمی جنگ رہی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی حیثیت اگر سالار جنگ کی رہی تو آپ کے دونوں شہزادے میمنہ اور میسرہ کے سنبھالنے والے سردار کی تھی۔ اذان خطبہ کے موضوع پر سرکار مفتی اعظم کے متعدد رسائل اور فتاوے ہیں۔ اختصار کی وجہ سے آپ کی کتاب نفی العار من معایب المولوی عبد الغفار (ص ۶۱) سے ایک اقتباس ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔

ثالثاً۔ اصل بات ہے کہ ائمہ نے بین یدیہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی باب المسجد کا مقصود صرف اس قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا۔ کچھ تخصیص اذانِ جمعہ کی نہ تھی لہٰذا اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ لا یوذن فی المسجد تاکہ تمام اذانوں کو شامل رہے۔ خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا۔ رہا بین یدیہ وہ اس اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا۔ لہٰذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر فرمایا۔ ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے، دوسرا نہیں پاتے، اپنی جہالت یا کم فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ علما نے ان دونوں قیود سے بین یدیہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے لایوذن فی المسجد دکھاو اور نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں، عام اذانوں کا ہے تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا نہ کہ ایک ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان مسجد میں نہ ہو عصر کی نہ ہو جمعہ کی نہ ہو۔ اسے وہی طلب کرے گا جو محض نافہم ہے یا نراہٹ دھرم۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی بیخ کن ہے، وللہ الحمد۔

مفتی اعظم کا ایک اہم فتویٰ:

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ناسک مہاراشٹر سے ایک استفتا آیا۔ جس

میں اذان خطبہ کا صحیح محل اور مقام پوچھا گیا تھا۔ نیز سائل نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ اذانِ خطبہ خارج از محل صلوٰۃ دینا احناف کے نزدیک سنت ہے، ترک سنت سے اذان مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے۔ ترک سنت پر اصرار اور خلاف سنت فعل کو عین سنت سمجھنے والوں کے حق میں کیا وعید آئی ہے؟ اس کے جواب میں ایک مفصل فتویٰ سرکار مفتی اعظم نے تحریر فرمایا۔ جس کے سطر سطر سے الولد سر لابیہ کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔ اس فتوے کی تلخیص ہدیہ قارئین ہے:

الجواب :(ا) بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم انی اعوذبك من ترك السنن وانتها كها

اذان خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم نبی روف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی۔ اور زمانہ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایک ہی اذان اسی طرح دی جاتی رہی جب زمانہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہوگئی تو حضرت نے ایک اذان، اذانِ خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اور اضافہ فرمائی اور اذان خطبہ بدستور خارج مسجد رکھا۔ ہشام کے زمانہ میں وہ زوراوالی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہو آئی اسی لیے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فخام قاطبۃً اپنی تصنیفات عالیات میں برابر کھلی تصریحات فرماتے آئے کہ خارج مسجد اذان مسنون ہے۔

مسجد بمعنی موضع صلاۃ میں اذان مکروہ ہے، داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔

علامہ ابراہیم غنیّۃ میں فرماتے ہیں:

الأذان انما يكون في المئذنة أو خارج المسجد، والاقامة في داخله۔ (ص ۳۷۷، فصل فی السنن، سہیل اکیڈمی، لاہور)

علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں قہستانی اور وہ نظم سے ناقل:

يكره أن يوذن فی المسجد۔

(ص ۱۱۷، باب الاذان، مصطفیٰ البابی، مصر)

اسی میں فتح القدیر سے ہے:

فان لم يكن ثمة مكان مرتفع للاذان يوذن فی فناء المسجد۔

قہستانی میں ہے:

لا یوذن فی المسجد فانه مکروه اھ

عامہ کتب میں ہے:

لا یوذن فی المسجد۔ نیز

یکره الاذان فی المسجد۔

فتح القدیر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں:

قوله: والمکان فی مسئلتنا مختلف یقید کون المعهود اختلاف مکانهما و کذلك شرعاً والاقامة فی المسجد ولابداما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد و قالوا لا یوذن فی المسجد امام اتقانی غایة البیان۔ (ص۲۵۰، کتاب الصلاۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فتح القدیر میں خاص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں: هو (ای الاذان) ذکر الله فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخله اه۔ (ج۲۔ص۵۶/مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر)

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ یکره الاذان فی المسجد اور لا یوذن فی المسجد ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں مگر بعض ہٹ دھرم زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذان پنج گانہ کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر ان معاندوں کی دہن دوزی فرمادی اور اس ہٹ دھرمی کی پوری خبرگیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے، مدخل امام محمد بن الحاج میں نہی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم فرماتے ہیں:

فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار وعلی سطح المسجد و علی بابه واذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوه احدها انه لم یکن من فعل من

مضی الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیه فلافائدة لندائه لان ذلك تحصیل حاصل ومن کان فی بیته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع الثالث ان الاذان فی المسجد فیه تشویش علی من هو فیه یتنفل او یفعل غیر ذلك من العبادات التی بنی المسجد لاجلها وما کان بهذه المثابة فیمنع لقوله علیه الصلاة والسلام لا ضرر ولا ضرار اه مختصرا۔ (ج ۲۔ص ۲۴۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ)

اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لیے جاننا نری ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین کے لیے ہی تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اس اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا۔ مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا۔ اور شی اپنے مقصود سے خالی باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں ابھی مدخل امام ابن الحاج سے گذرا :

اذا کان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلافائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع۔

نیز علما فرماتے ہیں

اذا خلی الشئی عن المقصود بطل.

جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں۔ وہ یہی نہیں کہ خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں بل کہ اذان ہی کو باطل کر دیتے ہیں جو لوگ ترک سنت کرتے ہیں یقیناً معاتب ہیں۔ اس وعید سے ڈریں من ترک سنتی لم ینل شفاعتی (جو میری سنت کو ترک کرے گا وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا) ان کا یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہم خارج مسجد اذان کو سنت نہیں جانتے۔ داخل مسجد اذان کو سنت مانتے ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ حدیث فقہ کے ارشادات سے انھیں بتا بھی دیا گیا، جہل عذر نہیں بل کہ وہ خود دوسرا وبال ہے اور جہالت کرنا اور شدید التزام جس نے

حمایت سنت کی ہوا سے سو شہید کے اجر کا حدیث مژدہ دیتی ہے۔

من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد رواه البیهقی فی الزهد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عهنما۔

(مشکواۃ شریف ص ۳۰/ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(جو میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر قائم رہا اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب الزھد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

خارج مسجد اذان ہونا حدیث سے ثابت داخل مسجد اذان کی کراہت وممانعت فقہاے کرام کے ارشادات سے واضح برخلاف حدیث وفقہ یہ کہنا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ سے دی جانا ہی سنت ہے۔ کیسا کھلا عناد اور سخت ہٹ دھرمی اور شدید جہالت ہے؟ اللہ عز وجل محفوظ رکھے۔ کیا اس کے قائل میں دم ہے کہ وہ کسی ایک ہی معتبر معتمد عالم سے اپنے کسی ایک دعویٰ کی تائید پیش کر سکے؟ الی آخرہ۔

(۱) مسجد کے اندر اذان مسجد کی بے ادبی اور بدعت ہے۔ بدعت کو سنت سمجھنا اور سنت کو بدعت سخت وبال عظیم ہے اور سنت کو مٹانا اور اس کے معارض فعل کرنا سنت سیئہ ہے۔ اور حدیث میں فرمایا من سن سنۃ سیئۃ عمل بہا من بعدہ کان علیہ وزرہا و وزر من عمل بہا لا ینقص ذٰلک من اوزارہم شیئا۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۳۱۔، حدیث ۔۱۹۲۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور ایسے شخص کو جو سنت مٹانے کے درپے ہوا سے حدیث میں ((من ترك سنتی لم ینل شفاعتی)) سے ڈرنا چاہیے۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ جہل عذر نہیں۔

حدیث میں ہے: من جادل فی خصومة بغير علم لم يزل فی سخط الله حتى ينزع. (اتحاف السادۃ المتقین، ج ۷۔ ص ۴۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تیسیر میں اس حدیث کے نیچے فرمایا:

من جادل فی خصومة ای استعمل التعصب و المراء حتى ينزع ای

ترک ذلك و يتوب منه توبه صحيحة۔

حدیث میں ہے:

فمن كانت فطرته الى سنتى فقد اهتدى و من كانت فطرته الى غير ذلك فقد هلك رواه الطبرانى فى معجم الكبير و ابن حبان والحاكم باسناد هم كما فى الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۱۱۔، حدیث ۶۴۷۷، موسستہ الرسالہ، بیروت)

اور حدیث میں ہے: ما من امة ابتدعت بعد نبيها فى دينها الا اضاعت مثلها من السنة روى الطبرانى باسناده عن عفيف بن الحارث رضى الله تعالىٰ عنه

اور حدیث میں ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان الله حجب التوبه عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته رواه الطبرانى باسناده عن انس رضى الله تعالىٰ عنه

اور حدیث میں ہے:

ابى الله تعالىٰ ان يقبل عمل صاحب بدعة حتى يدع بدعته رواه ابن ماجة باسناده عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما۔ والله تعالىٰ اعلم۔

(ص ۱۹، حدیث۔ ۵۰، باب اجتناب البدع والجدل
دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت)

آثار المبتدعين لإعدام حبل الله المتين

مصنفہ مولانا عبدالغفار خاں رام پوری

کے رد میں

رسالہ

مقتل کذب وکید

(۱۳۳۲ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

مولوی عبد الغفار خاں صاحب رامپوری نے تو جھوٹی تعلّی سے مہلت دس سال کی ہمیں دی، یہاں بفضلہٖ تعالیٰ ان کے رسالہ "**آثار المبتدعین لإعدام حبل الله المتین**" (۱) کے رد میں ایک مہینہ سے کم میں دو رسالے مہیا ہو گئے:

۱۔دائرہ میں جو نام لکھا جاتا ہے

اس طرح: حبل الله المتین

لاعدام

آثار المبتدعین

اس میں اکثر قاعدہ یہ ہے کہ مہر کی طرح نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ اخیر میں نام الٰہی ہو کہ اس کی تعظیم کے لیے اسے اوپر رکھا جاتا ہے، مولوی صاحب کا طریقہ ہمیں بہت پسند آیا کہ انہوں نے اپنے رسالے کا نام دائرہ مین رکھا تو اخیر جز کو جس میں نام الٰہی ہے، سطر بالا میں لکھا، حسب قاعدہ نیچے سے شروع کیجیے، پہلے **آثار المبتدعین** ہے پھر **لاعدام حبل الله المتین**۔ لہذا صاف نام" آثار المبتدعین لاعدام حبل الله المتین "ہے، اور یہی ان کے لائق تھا۔

ع: آں چہ نصیب ست بہم می رسد، ۱۲منہ

اول "صیلم الدیان لتقطیع حبالة الشیطان (۲)"

مولوی صاحب نے اپنے دعوی پر جو مہملات سوسو بار کی مردودات پیش کیں،

ان پر ردقاہری دوم "سیف القهار علی العبید الکفّار" (۳)

مولوی صاحب نے اخیر میں جو فتوائے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ پر اعتراضات میں کمال نافہمی کی داددی یہاں تک کہ خود عبارت فتوی سمجھنا محال اور اعتراض کو تیار، اس کی پردہ دری اگر کی جائے تو ان سے مولوی صاحب پر رد کا شمار تقریباً پونے دو ہزار، مگر کیا حاصل۔

"أذان من الله۔ وقاية اهل السنة ۔سلامة الله لاهل السنة ۔حق نما فیصلہ" کا کس نے جواب دیا؟ ۔"نفی العار" کا کون جواب دے۔ وہاں تو ٹھہر چکی ہے کہ لاکھ کھائیں اور ایک کا جواب لائیں، اور وہی مردودات پیش فرمائیں۔ یہ سلسلہ تو غیر متناہی ہے، اہل حق کہیں سے مفت کی خیراتی تنخواہ نہیں پاتے، مگر عوام کا خدا بھلا کرے، سمجھتے سمجھاتے خاک نہیں، ورقوں پر کچھ کالک لگی دیکھی اور غل مچادیا۔ اور اب کی تو ان بے چاروں کو یہ صریح بے (۴) ایمانی کا دھوکا دیا ہے کہ سو کتابوں سے ثبوت لکھا ہے۔ اس کا بھرم کھولنا مناسب، لہذا ان کے کمالات سے فی الحال ایک ہزار معروض، وہ تیس قسم پر منقسم ہیں، جن میں ستائیس قسمیں انعامی ہیں، میعاد کے اندر مولوی صاحب اپنی واقعی عہدہ برائی

۲۔ یہ اس کا جواب ہے جو مولوی صاحب نے ص ۳۱ سطر ۱۰ و ۴۵ سطر ۱۶/ اور حاشیہ ص ۴۱ پر لکھا ۱۲

۳۔ مولوی صاحب کا........ "کَفّارِ بالفتح" بڑا ناشکرا، مبتدع کہنا اس سے سخت تر ہے۔

۴۔ اس لفظ کا مطلب ہے جو........ لکھا مولوی صاحب کو ہر جگہ آئینہ میں اپنا منہ نظر آیا۔

کرلیں، تو سات سو روپے حاضر کیے جائیں گے، اور اگر میعاد گزر جائے اور جواب نہ دے سکیں، جیسا تین بار کا تجربہ تو ان کا انعام ختم۔ اب ہر سنی مسلمان کو اتنی ہی میعاد دی جائے گی کہ اپنی کوشش سے اس مدت میں مولوی صاحب سے صحیح جواب لا دیں، سو روپے ان کی نذر کیے جائیں گے۔ مسلمانوں کو دینی مسئلہ میں سو کتابوں کا جھوٹا نام لے کر دھوکا دیا ہے، مسلمانوں کا حق ہے کہ ان سے جواب لیں (تفصیل میعاد)

اکثر باتیں واقعات سے متعلق ہیں، مثلا مولوی صاحب نے عبارتیں دل سے گڑھ لیں، ان میں قطع برید یں تحریفیں کیں، سچی یقینی عبارت کو جھٹلا دیا، ترجموں میں ملونیان کر دیں، مسئلہ دل سے تراش لیا۔ فقہا پر افترا، شریعت پر افترا، خود اپنے اوپر افترا، اپنی طرف مقابل پر افترا کہ یہ کہا ہے، حالاں کہ کہیں نہ کہا۔ کتاب کا جھوٹا نام لکھ دیا، کتب وعبارات واحادیث کی محض جھوٹی گنتیاں بڑھائیں، مردود باتوں کو بے رد جواب سامنے لائے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں نظر سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر یہ الزام واقعی نہیں لگتے تو مولوی صاحب دس گھنٹے میں ان کا خلاف دکھا سکتے ہیں۔ موجود چیز حاضر کرنے میں دن نہیں لگتے۔ مگر ہم مولوی صاحب کو دس دن کی مہلت دیتے ہیں، باقی امور کہ متعلق بہ فکر ہیں، ان کے جواب کو مولوی صاحب اپنی لیاقت دیکھ کر جتنی بھی مہلت چاہیں اس کی درخواست انہی دس دن کے اندر بھیج دیں۔ یہ عشرہ گزر جائے اور جواب نہ آئے تو دوسرا عشرہ واقعات کے صحیح جواب اور باقیات کے لیے درخواست مہلت لانے کا ہر سنی مسلمان کے لیے ہے۔ یوں بھی جواب نہ ملے تو اب انصاف مسلمانوں کے سر ہے۔ کیا حق کی تائید میں اہل حق کو ایسی شرمناک حرکات کی حاجت ہوتی ہے؟۔ کیا صاف نہ کھل گیا کہ اندرون مسجد اذان جمعہ ایسی ہی شدید باطل ہے جس کے بنانے کو کوئی سچی سند نہیں ملتی، ناچار ایسے جھوٹ اوڑھنے پڑے۔

مسلمانو! یہ دین ہے، اللہ و رسول کو منہ دکھانا ہے، اللہ توفیق انصاف بخشے۔ انعام اقسام پر غالباً بنظر اہمیت اور ہر قسم کے افراد پر بحصۂ مساوی ہے۔ مولوی صاحب اگر بعض سے جواب دیں اس کا حصہ انعام پائیں گے، جب کہ باقی کی لاجوابی کا تحریری اقرار دیں،

یونہی بعض کا جواب لانے والے کو ان کے حصہ کا ساتواں۔

مولوی صاحب ایک کتاب سے بھی سند نہ دے سکے اور بنا لیں سو

آخر یہ کیوں کر؟۔ جی ہم سے سنیے: مولوی صاحب پر صدہا مطالبے چڑھ گئے، رسالے کے رسالے میدان مناظرہ میں اتر گئے، آٹھ مہینے ریاست کا کتب خانہ چھانا، نہ ایک حدیث پائی نہ کوئی روایت فقہ ہاتھ آئی، اور ادھر تقاضوں سے دم ناک میں، ناچار مولوی صاحب نے یہ جتن کھیلے جس کا نمونہ حاضر۔

قسم (۱) نری جھوٹی عبارت دل سے گڑھ لی

(انعام پچاس روپے)

(۱) ص ۱۷ صلاۃ مسعودی کے نام سے ایک عبارت تراشی کہ ''اذان در مسجد مکروہ است مگر اذان بر منبر'' حالاں کہ محض جھوٹ، صلاۃ مسعودی میں اس کا کہیں پتا نہیں، سچے ہیں تو اس میں یہ عبارت دکھائیں۔ (پچاس روپے انعام)

قسم (۲) عبارتوں میں خیانتیں، چوریاں، تحریفیں

(انعام ۳۰/روپے)

(۲) فتح الباری کی عبارت میں مولوی صاحب کی پانچ قطع بریدیں ''اذان من اللہ'' نے گنائیں۔ فتح القدیر وغنیۃ کی عبارتوں میں مولوی صاحب کی دو شدید چوریاں ''نفی العار'' نے دکھائیں۔

ان کی اس چوتھی تحریر ''آثار المبتدعین'' کا نمونہ لیجیے:

ص ۲۹ ''شیخ عبد الحق دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''حکم من ثبت عندہ التدلیس الخ''

مولوی صاحب نے اپنا پردہ رکھنے کو کتاب کا نام نہ لیا، یہ مقدمۂ لمعات کی عبارت ہے، اور آغاز یوں تھا: ''قال الشیخ: حکم من ثبت عنہ التدلیس الخ''

یعنی شیخ ابن حجر (۱) شافعی المذہب نے کہا: مدلس کا یہ حکم ہے۔ مولوی صاحب نے "قال الشیخ" کتر لیا، اور اسے خود شیخ صاحب کا مقولہ ٹھہرا دیا، کیوں مولوی صاحب کیا یہاں "قال الشیخ" نہ تھا؟۔ (بیس روپے انعام)

اور اگر ان ساتوں چوریوں کے جواب دینا چاہو تو انہیں بھی ملا لو، اب فی خیانت ڈھائی روپے، کل بیس۔

(ص ۳ تا ۱۲) فتوائے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ میں خانیہ وخلاصہ وعالمگیریہ وبرجندی کی چار عبارتوں میں تھا: "**ينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد**" یعنی اذان کے لیے منارہ مناسب ہے یا بیرون مسجد، مسجد میں اذان نہ دی جائے،، بحرالرائق وامام اتقانی وامام محقق علی الاطلاق وعلامہ برجندی نے صاف بتادیا تھا کہ "**ويؤذن في المسجد**" مستقل جملہ ہے، پہلے تینوں اکابر نے اتنا ہی نقل فرمایا اور چوتھے نے عبارت خلاصہ کو اسی پر دلیل ٹھہرایا کہ "**فيه اشعار بأنه لايؤذن في المسجد، فقدذكر في الخلاصة الخ**" بایں ہمہ مولوی صاحب نے بیچ کے سب فقرے کاٹ لیے، اور "**ينبغی أن**" کو "**لايؤذن فی المسجد**" سے ملا کر ص ۳۵ پر فرمادیا: "یہ روایات ہیں جن کو مولانا صاحب اپنے فتوے میں لائے ہیں، "**ينبغی أن لايؤذن فی المسجد**" یہ نیو جما کر بولے: "فقہا تو "ينبغي" کے معنی مستحب لکھتے ہیں" مولوی صاحب! کیا یہ عبارت ان چاروں کتابوں میں یونہی ہے؟۔ کیا یہ چار عبارات ائمہ میں تحریفیں، اور خود اپنے خصم پر چار افترا۔ اور اسی بنا پر اپنے خصم پر دو افترا

---

(۱) شیخ محدث نے اس مقدمہ کے آغاز سے پہلے دیباچۂ لمعات میں جہاں اپنی اصطلاحات بتائی ہیں کہ "شرح الشیخ" سے میری یہ مراد ہے، اور "بعض الشروح" سے یہ، اور "بعض الحواشی" سے یہ۔ وہاں صاف فرمادیا ہے کہ "قال الشیخ" میں میری مراد ابن حجر عسقلانی ہیں ۱۲ منہ

اور فرمائے: ایک ص ۱۳ / ۱ پر کہ "ینبغی" کے معنی مکروہ وممنوع کے لینا'' دوسرا ص ۳۹ پر کہ "ینبغی" کا ترجمہ یہ گڑھا'' کل دس افترا۔ دس روپے انعام، فی تحریف وافترا ایک روپیہ۔

قسم (۳) سخت ستم

صحیح عبارت کو نری سینہ زوری سے غلط بتانا، اور اپنی طرف سے جھوٹی عبارت گڑھ کر کایا پلٹ کردینا

(انعام سو ۱۰۰ روپے)

(۱۳ تا ۱۵) فتح القدیر کا ارشاد جلیل کہ:

"في المسجد، أي: في حدوده لكراهة الأذان في داخله"(۱)

یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے، اس لیے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ الحمد للہ اس میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ تھا، جس سے مولوی صاحبوں کو بھی تحریر دوم رامپور ص ۸ میں انکار کرتے نہ بنی۔ خدا دین ودیانت دیتا تو حق مسئلہ قبول فرمانا تھا۔ حیا وغیرت دیتا تو پردۂ سکوت میں منہ چھپانا تھا۔ مگر ہٹ دھرمی کا خدا برا کرے، وہ کیا چین لینے دے، مولوی صاحب نے تحریر دوم میں تو اس کا یہ علاج کیا کہ اس ارشاد جلیل کو فتح القدیر سے توڑ کر شرح منیہ کی عبارت ٹھہرایا کہ اس کی عظیم وقعت سے کچھ تو گھٹے، اور بے دھڑک مردود ونامعتبر کہہ گئے، اور اس نئی چوتھی میں ص ۳۹ پر سب سے بڑھ کر یہ بے نظیر ڈھٹائی دکھائی کہ عبارت ہی یوں غلط ہے۔ "اصل عبارت یوں ہے: هو ذكر الله في المسجد، أي: في حدوده

---

(۱) [فتح القدير كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ٢/٦٥]

فصار كالأذان في داخله"(۲)

اور ص ۱۵/ پر یوں شوخ چشمی منائی کہ "غلطی سے کسی کاتب نے "فصار كالأذان" کی جگہ "لكراهة الأذان" لکھ دیا، وہی نقل ہونے لگا" یعنی فتح القدیر کے متعدد مطابع مصر کے نسخے، مطابع ہند کے نسخے، قلمی نسخے سب غلط ہیں، اور مولوی صاحب کا سفلی کشف صحیح، إنالله و إنا إليه راجعون

مولوی صاحب! اگر ثبوت دے دو کہ یہ عبارت فتح کی نہیں غنیّہ کی ہے، تو (چالیس روپے انعام)۔ یا ثبوت دے دو کہ سب نسخے غلط ہیں، صحیح نسخہ آپ پر کسی پہاڑ سے اترا ہے تو فوراً سے پہلے اسے مع ثبوت صحت حاضر لائیں، (چالیس روپے انعام)۔ یا آریوں کی وید دیکھنے کو بہ ہزار دشواری مل سکیں، مگر آپ کے نسخے کا پردہ ٹوٹنا محال۔

(۱۶) مولوی صاحب کی تقدیر کہ یہی عبارت بعینہا اسی طرح "في المسجد، أي: في حدوده لكراهة الأذان في داخله"(۳)

غایۃ البیان امام اتقانی، دوسری شرح جلیل ہدایہ میں موجود۔ کیوں مولوی صاحب! وہاں بھی کاتب ہی نے

بنالی ہوگی، ثبوت دو (دس روپے انعام)۔

(۱۷) یہ تو کہیے کہ اس تقدیر پر "في المسجد، أي: في حدوده" سے تفسیر کرنے کی کیا ضرورت ہوئی، جب آپ کے لکھے خطبہ واذان دونوں جوف مسجد کے اند رتھے، تو کیا وجہ ہوئی کہ (مسجد میں) کہنے کو حدود مسجد سے تاویل کرنی پڑی۔ کیا جو چیز عین جوف مسجد میں ہوتی ہوا سے "فی المسجد" کہنے کی ائمہ نے کبھی یوں بلاوجہ فضول بے معنی توجیہ کی ہے، ثبوت دو (دس روپے انعام)

---

(۲)　[فتح القدير كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ۲/۶۵]

(۳)　[فتح القدير لابن الهمام باب صلاة الجمعة: ۲/۵۸]

ہے یہ کہ:

ع عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

ایسی ہی چادر حیا اتار دی تھی تو "أي: في حدوده" کو بھی "أي: في جوفه" بنالیا ہوتا، یہ دن تو نہ دیکھنا ہوتا کہ کال بھی نہ کٹتا۔

مسلمانو للہ انصاف! ایسی کاروائیوں سے کون سا باطل حق نہیں ٹھہر سکتا، اپنے مفید عبارتیں دل سے گڑھ لو، جو اپنے مضر ہیں ان کے تمام نسخے غلط بتادو، اور ان میں اپنی گڑھت ملادو۔

مسلمانو للہ انصاف! کیا کسی حق بات کے لیے ایسی جیتی مکھیاں (۱) نگلنی ہوتی ہیں، کیا صاف نہ کھل گیا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہونا ایسا ہی شدید باطل ہے جس کے حامیوں کو اس قدر شرم ناک بددیانتیوں کی حاجت پڑی، جو اس پر بھی نہ سمجھے کیا قیامت کے دن سمجھایا جانا چاہتا ہے۔

قسم (۴) کتاب کا جھوٹا نام گنادیا اور عبارت غائب

(انعام ۵/روپے)

(۱۸) سو کتابوں کی فہرست دی بھرت پورا کرنے کو۔ نمبر ۵۸ میں "فتح حاشیہ مسکین" کا نام لکھ دیا، آثار المبتدعین کی عبارتوں میں کہیں اس کتاب کا نام تک دکھادیں (پانچ روپے انعام)

قسم (۵) بھرت پورا کرنے کو ایک ایک کتاب دو دو دفعہ گنائی. (انعام ۴ روپے)

۱۔ یہ اس لفظ کا جواب ہے جو مولوی صاحب نے ص ۷ سطر ۷۵ میں لکھا۔

(۱۹ تا ۲۲) فہرست دیکھیے:

شمنی الگ، کمال الدرایہ الگ، وجیہ الدین برشرح وقایہ جلد اول، علوی برشرح وقایہ جلداول، نقایہ علیحدہ، مختصر الوقایہ علیحدہ، مجمع الانہر اور شرح ملتقی ۔ اور خود ہی ص ۳۰ و ۳۱/ پر اقرار ہے کہ آپ کی سندوں میں شرح ملتقی وہی مجمع الانہر ہے، چار کتابوں کی آٹھ کرلیں (چار روپے انعام)۔

(قسم ۶) عوام کے دھوکے کو گنتی بڑھانے کے لیے متعدد گن دیے (انعام ۴/ روپے)

(الف) ایک ایک عبارت دو دو دفعہ گنی، مثلاً:

(۲۳) ص ۵/ میں عبارت شمنی پر ۹/ کا نمبر، پھر دوسطر بعد بعینہا وہی عبارت بنام کمال الدرایہ ۱۲/ نمبر۔

(۲۴) اسی صفحہ میں شرح ملتقی کی عبارت ۱۳/ نمبر، پھر ایک ہی سطر بعد وہی عبارت دو لفظ چھوڑ کر بنام مجمع الانہر ۱۵/ نمبر۔

(۲۵) ص ۳۲/ پر کہا: ''تیسری روایت مختصر الوقایہ کی'' پھر دوسطر بعد ایک لفظ بڑھا کر اسی کو لکھا اور کہا ''چھٹی روایت نقایہ کی''۔

(۲۶) ص ۷ پر بحوالہ عینی ایک روایت مبسوط ۱۳۱/ نمبر، پھر ص ۱۸/ پر اسی کے دو ٹکڑے کر کے ۱۰۲، و ۱۰۵/ نمبر ایک روایت کی تین بنالیں۔

(۲۷) ص ۲۰/ پر عبارت حلبی ۱۱۹/ نمبر، پھر ص ۲۳/ پر وہی عبارت ۱۳۷/ نمبر۔

(۲۸) ص ۱۸/ پر عبارت امداد الفتاح ۹۹/ نمبر، پھر ص ۳۵/ پر وہی روایت دوسرے نمبر سے مکرر۔

(ب) ایک حدیث چار بار شمار۔

(۲۹ تا ۳۱) ص ۲۴/ پر ایک حدیثِ ام المؤمنین کہ نماز تہجد میں حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتیں۔ چار دفعہ گنی۔ فقہا کے نزدیک تغایر متن سے حدیث بدلتی ہے، محدثین کے نزدیک تعدد صحابی سے متعدد ہوتی ہے، مگر غفار خانی اصطلاح میں ایک ہی صحابی کی ایک ہی حدیث چار حدیثیں ٹھہرتی ہے۔ بخاری نے روایت کی، ایک حدیث ہوئی۔ مسلم نے روایت کی، دوسری ہوگئی۔ ابوداؤد کی روایت سے تیسری ٹھہر گئی۔ بلکہ امام بخاری کہ تقطیع حدیث کے عادی ہیں، انہیں اکیلے کی دوبار روایت دو حدیثیں۔

(۳۲) نہیں نہیں، اس سے صرف حدیث متعدد نہ ہوئی بلکہ اس کا قصہ ہی متعدد ہوگیا، کہ ان چالوں سے بیس گنا کی ص ۲۶/ پر بولے "یہ بیس حدیثیں مختلف احکام وقصص کی پیش کیں" خدا شرم دے۔

(ج) یوں بھی جی نہ بھرا تو گیارہ علی الحساب بڑھا لیے۔

(۳۳ تا ۴۳) ص ۳۸/ پر بولے "یہاں تک ۲۳۵/ روایات نقل کی ہیں" حالاں کہ تمام مہملات ومکررات سب ملا کر بھی ۲۲۴/ رہی ہیں۔

(د) ایک ایک مہمل اعتراض کئی کئی دفعہ گنا مثلاً:

(۴۴ و ۴۵) ص ۴۴/ پر پہلی، دوسری، چوتھی، تینوں غلطیاں بتانے کا حاصل ایک ہے کہ زمان کو مکان پر قیاس۔ ایک اعتراض کے تین کر لیے۔

(۴۶) چھٹی اور ساتویں کا حاصل ایک۔

(۴۷) دسویں اور گیارہویں کا مطلب ایک جس کی خدمت گزاری قسم ۱۵/ میں آتی ہے۔ لفظ بدل کر ایک ایک کے دو دو کر لیے۔

(۴۸ تا ۵۱) فتوائے مبارکہ میں حدیث ابوداؤد کو معنی بین یدیه کا موضح بتایا، آپ ص ۴۵/ پر معترض ہوئے کہ وضاحت چار طور پر ہوتی:

اول خود بیان شارع یا صحابی۔

دوم بیان راوی دیگر۔

سوم اتفاق شراح حدیث۔

چہارم بیان بعض شراح۔

اور یہاں یہ چاروں نہیں، لہذا وضاحت نہیں۔ یہ اول تو جحود مکابرہ ہے، یہاں خود صحابی کا بیان موجود ہے، کہ "علی باب المسجد بین یدیہ" ہے، پھر جمیع وجوہ وضاحت کا انتفاعدم وضاحت کی ایک وجہ واحد ہے کہ ایک کے انتفا سے انتفائے وضاحت نہ ہوتا، سب کے انتفا سے انتفا ہوگا کہ نہیں، چار وجوہ انتفا قرار دیا، اور پھر اس جہالت پر بھی کہ ایک کی چار بنالیں صبر نہ آیا، اور ایک اپنی طرف سے اور ملا کر ص ۵۲/ پر بولے "پانچ وجہیں وضاحت پروارد کیں"۔

(۵۶) ص ۴۷/ سے ۵۲/ تک حدیث ابی داؤد شریف کے جاہلانہ رد چوبیس گنائے، اور ص ۵۲/ پر ایک علی الحساب بڑھا کر بولے "پچیس وجہیں استدلال پر وارد کیں"

غرض ہر جگہ جھوٹ پر مدار ہے۔

(۵۷ تا ۵۹) پھر وہ چوبیس بھی کس خوبی سے ہیں، ص ۴۷/ پر چھٹی وجہ یہ گڑھی کہ "علی باب المسجد" اس حدیث میں مخترع ابن اسحاق کا ہے" مخترع ابن اسحاق ہونے کو لازم تھا کہ نہ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو، نہ قول صحابی، نہ قول تابعی، نہ اور روایت میں مروی۔ ان چاروں کے اجتماع سے اختراع ثابت ہوتا، آپ نے چاروں کو الگ وجہ گنا کر چھٹی کے بعد دسویں شروع کی، سات آٹھ نو تینوں ہضم، ایک وجہ کی چار کرلیں۔

(۶۰) پھر اس پر بھی صبر نہیں، اسی اپنے اختراعی اختراع کو اسی بنا پر کہ ابن اسحٰق کے سوا کوئی ناقل نہیں ص ۴۸/ پر مکرر ملا کر سترہویں وجہ بنایا۔

(۶۱ تا ۶۴) فقہ حنفی میں اس قید "علی الباب" کا نہ لینا کہ محض جہالت مولوی صاحب ہے، جس کا رد "سلامۃ اللہ" میں موجود ہے، اگر ہوتا وجہ واحد ہوتا، اسے دسویں سے چودھویں تک پانچ وجہ بنایا، بھلے سے مولوی صاحب کو فقہائے حنفیہ کی فہرست نہ ملی

ورنہ اسے ہزاروں وجہ بنالیتے۔

(٦۵) شذوذ ونکارت متباین ہیں، ص ۴۸ر میں دونوں کو ملاکر پندرہویں اور سولھویں وجہ کیا، غرض دس بڑھا کر پندرہ مہملات کو پچیس گنایا۔

(٦٦ تا ۷۰) کلام جلابی کے "فی المسجد" کو فتوائے مبارکہ میں "في حدود المسجد" سے تفسیر فرمایا اور اس پر کلام امام محقق علی الاطلاق سے استناد فرمایا، کہ جس طرح انھوں نے کلام کافی میں "فی المسجد" کی تفسیر "فی حدوده" فرمادی، ظاہر ہے کہ کام تفسیر لفظ سے ہے، نہ خصوصیت متکلم سے، تو اسے ص ۵۴ر پر یہ قرار دینا کہ امام ابن الہمام نے خاص اس عبارت میں یہ تفسیر کی، کھلی بے عقلی اور اسے ابن الہمام پر افترا بتانا صراحۃً اپنے خصم پر افترا۔ پھر اگر تفسیر ہوتا بھی تو قول جلابی کی جو امام ابن الہمام سے مقدم ہیں نہ کہ نقل قہستانی ناقل کی، تو یہ گمان اور بھی بے عقلی۔ تین تو آپ پر یہ ہوئے پھر مزہ یہ کہ اسی ایک جاہلانہ اعتراض کو آٹھ، نو، دس، تین غلطیاں بنالیا۔

(۷۱ تا ۸۱) فتوائے مبارکہ میں تھا کہ...

"اگر بانی مسجد نے تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لیے منارہ بنایا تو یہ جائز ہے، کراہت یہاں نہ ہوگی، جیسے مسجد میں وضو جائز نہیں، مگر پہلے سے اگر کوئی محل بانی نے وضو کے لیے بنوادیا تو اس میں وضو جائز ہے"

قیاس تھا بلکہ ائمہ کی دلالۃ النص سے استدلال، کہ فقہائے کرام اگرچہ مسجد میں اذان کو مکروہ فرماتے ہیں، مگر مسجد میں وضو کی مثل تو نہ ہوگا کہ اس کا پانی مستقذر بلکہ امام کے نزدیک نجس ہے، جب قبل تمام مسجدیت اس کے لیے ایک جگہ مسجد میں معین کرنا ائمہ نے جائز رکھا، تو اذان کے لیے منارہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوا، مولوی صاحب کی بے عقلی کہ اسے وضو پر قیاس سمجھے۔ پھر اس پر ص ۵۴ر میں اعتراض جمایا کہ اذان کو مستقذر و نجس چیزوں کے مانند مانا، یہ دوہری اشد بے عقلی۔ کہاں تو یہ کہ جب ایسی چیزوں کے لیے مسجدیت سے پہلے محل بنانے کی اجازت ہے تو اذان کے لیے کیوں نہ ہوگی، اور کہاں یہ کہ اذان کو ان چیزوں

کی مثل بتایا۔ پھر لطف یہ کہ اسی ایک جاہلانہ اعتراض کو دوسری غلطی سے دسویں تک لفظ بدل بدل کر گنایا، ایک ہی اعتراض کے نو کر لیے۔

غرض یہ ہے کہ: ع ماعلی مثلہ یعد الخطا

(۸۲ تا ۹۰) کلام جلابی کی دوسری توجیہ پر ص ۵۵ و ۵۶ / میں جو جاہلانہ مزخرفات بکی ہیں جن کا رد قاہر ''سیف القہار'' میں ہے، ان میں پہلی اور دوسری ایک ہیں، ساتویں اور آٹھویں ایک ہیں، نو دس گیارہ بارہ ایک ہیں، تیرہ سولہ ایک ہیں، چودہ پندرہ اٹھارہ ایک ہیں، انیس بیس ایک ہیں۔

(۹۱ تا ۹۳) یونہی ص ۵۷ / و ۵۸ / میں توجیہ کلام قہستانی پر جو جہالتیں دکھائیں جن کا رد گزرا اور آتا ہے، ان میں دوسری تیسری ایک ہیں۔ چھ سات آٹھ ایک ہیں۔

(ہ) ایک ایک مہمل دلیل متعدد کر لی۔

(۹۴ تا ۹۷) ص ۴۰ / تا ۴۳ / جو دس مہملات بنام دلائل اذان خطبہ لکھیں ان میں ۳ و ۱۰ / واحد ہیں، ۵ و ۶ / واحد ہیں، ۳ / تکمیل دلیل سابق ہے نہ دلیل، ۷ / دلیل ۶ / پر موقوف ہے نہ مستقل۔ بالجملہ جاہلانہ اعتراضوں میں ۴۵ / جھوٹ بڑھا لیے، اور اپنی سندوں میں ۲۴ /، جملہ ۶۹ /۔ (سوا سترہ روپے انعام، فی تکرار چونی)۔

قسم (۷) نامعتبر و مجہولات سے بھرتی بھر دی

(انعام ۵ روپے)

(۹۸ تا ۱۰۲) مثلاً برہنہ، رحمانیہ، زاد التقوی، نقشبندیہ، نور المصلین اور ان سے دونی اور ہیں، مولوی صاحب انہیں کے معتمد و مستند ہونے کا کلام علمائے معتمدین سے ثبوت دیں (پانچ روپے انعام، فی کتاب ایک روپیہ)۔

قسم (۸) کتاب بھر میں خصوصاً ۱۴۵ رجگہ مہمل بعلاقہ عبارتیں بھر کر دھوکے دیے

(انعام مالعہ عہ۴)

(۱۰۳ تا ۱۸۷) مخالفین ''بین یدیه'' سے اس پر دلیل لاتے تھے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے برابر ہے، اسی لفظ کی بنا پر توارث کی رٹ تھی ،اسی کے بھروسے زمانہ رسالت پر اس کی تہمت تھی۔علمائے اہل حق نے کتنا سکھایا کہ ''بین یدیه'' کچھ ایسے ہی قرب سے خاص نہیں کہ اذان دروازہ پر ہو تو ''بین یدیه'' نہ رہے۔دیکھو صحاح ستہ سے سنن ابی داؤد شریف کی صحیح حدیث میں ''علی باب المسجد'' کے ساتھ ''بین یدیه'' موجود ہے، کیا صحابی اہل زبان ''بین یدیه'' کے معنی نہ جانتے تھے، بات تو یہیں ختم ہو چکی تھی ، پھر زیادہ علاج نادانی کے لیے قرآن عظیم کی آیتوں، ائمہ لغت کی تفسیروں، ائمہ تفسیر کی تصریحوں سے قاہر ثبوت دیے کہ ''بین یدیه'' اتنے ہی قرب سے خاص نہیں بلکہ منفصل ،قریب ،بعید یہاں تک کہ اتصال حقیقی سے پانسو برس کی راہ کے فاصلہ تک خود قرآن مجید میں موجود ہے، آٹھ ہزار برس کی راہ تک تفسیرات ولغت کی تفسیروں سے ثابت ہے،تو یہاں سے وہاں تک جس حد پر بولا جائے نہ ہمارے کچھ منافی نہ تمہیں کچھ مفید، کہ وہ ہمارے ہی دعوی کے ایک جز کا ثبوت ہے، نیز یہ بھی بتادیا کہ اس کا قرب باختلاف موقع مختلف ہوتا ہے،اور یہ کہ ''بین یدي المصلي ''میں اس کا موقع موضع سجود ہے،ان میں سے تمہیں کچھ نافع نہیں کہ تم مستدل ہو، تمہیں تو یہ لانا چاہیے کہ وہ ایسی ہی قرب سے خاص ہے کہ منبر و دروازہ کے فاصلہ پر باطل ہو جائے۔ یہ بحمد اللہ تعالیٰ نہ کوئی صاحب لا سکے نہ انشاء اللہ القدیر قیامت تک لاسکیں ، اور کیوں کر لاسکیں کہ ائمہ لغت وائمہ تفسیر کی تفسیروں کے بالکل خلاف ہے۔ گھر سے کوئی نئی عربی تو گڑھ نہیں سکتے ،لغت وتفاسیر درکنار کیا قرآن عظیم کے ارشادات غلط کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ سن سنا کر مولوی صاحب وہی قدیم اوندھی

چلیے، آخر ص ۱۹/ سے اول ۳۹/ تک دس ورق اس میں سیاہ کیے، بیس حدیثیں اور بیس فقہی روایتیں لائے، جن میں ''بین یدیہ'' ایک قرب کی حالت میں بولا گیا ہے، پھر '' مرور بین يدي المصلى '' کے متعلق پانچ حدیثیں ۲۸/ روایتیں، اور ص ۲۰/ پر مطلق قرب کی چھ عبارتیں، اور سب سے بڑھ کر کمال ذی ہوشی سے صراح وقاموس وراغب وتاج العروس کی عبارتیں، اور فقہا کا ایک قول، اور ترمذی کی ایک حدیث۔ یہ چھ حرف اس لیے کہ لفظ ''بین'' بمعنی '' درمیان '' ہے، اور ان میں کمال عقل کے گل کھلائے، جملہ پچاسی روایات ہوئیں۔

مولوی صاحب! ایمان سے کہنا: ان میں کون سا حرف ہے کہ ''بین یدیہ'' اتنے ہی قرب سے خاص ہے کہ دروازہ ومنبر کے فصل پر باطل۔

(پچاسی روپے انعام فی روایت ایک روپیہ)

مسلمانو! یہ ہے وہ جسے بڑا بنا کر تمہیں ڈرایا جاتا ہے، خدا شرم دے۔ آگے چلیے:

(۱۸۸ تا ۲۲۹) جب کھل گیا کہ ''بین یدیہ'' تمہیں کچھ نافع نہیں، تو ص ۳۲/ سے ص ۳۸/ تک صرف اس کی بیس روایتیں کہ اذان ''بین یدیہ'' ہے، اور بیس اس کی کہ ''بین یدیہ'' متوارث ہے، اور دو اس کی کہ متوارث حجت ہے، یہ بیالیس مہمل در مہمل فضول در فضول ہوئیں،   (انھیں بیالیس روپے انعام)

بھلے مانس! یہ بھی نہ دیکھا کہ ''بين يديه'' خود ہمارا مذہب، ہمارا عمل، ہمارا فتوی ہے، ہم خود اسے متوارث مانتے ہیں، یہ خود ہماری حدیث میں موجود ہے، جسے ہم مانتے ہیں اور تم منکر ہو۔ پھر ان کے بھرنے سے سوا اس کے کیا فائدہ ہوا کہ ناواقف عوام ڈر جائیں کہ.. اُوہ اتنی کتابوں سے اتنی روایتیں دی ہیں، شرم شرم شرم۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یہ ہے آپ کی سندوں کا بھاگ، یہ ہے آپ کا کمل کا باگ، یہ ہے آپ کی کتابوں کی قطار، یہ ہے آپ کی روایتوں کی پکار،

ع: شرم بادت از خدا واز رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور سنیے:

(۲۳۰ تا ۲۴۷) ''ینبغي ''جو اوپر سے توڑ کر ''لا یؤ دن '' کے سر لا دھرا تھا، ص ۱۲ و ۱۳ ار پر ۱۸/ عبارتیں اس کی بھریں کہ فقہا نے ان میں ''ینبغي '' بمعنی مستحب بولا ہے، اور وہ بھی کمال تمیز داریوں سے جن کا بیان ''صلیم الدیان ''میں ہے، اور بعض کا آیندہ آتا ہے۔ ہاں سہی، پھر ''ینبغي أن لا یؤذن في المسجد ''تو آپ کی ساختہ ہے، کتب مذکورہ میں یہ عبارت یوں دکھا دو تو (سوا دو روپے انعام بالائے انعام فی روایت ۲/)

قسم (۹) مہمل در مہمل ذیل مہمل

(انعام ۷ ۳/ روپے)

(۲۴۸ تا ۲۸۴) ''بین یدیہ'' میں مولوی صاحب کے اس اہمال پر خاک ڈالیے تو اب بھی آپ جس مطلب کے ثبوت کو وہ بیس حدیثیں بیس عبارتیں لائے، ان میں اکثر اس سے بے علاقہ ہیں، اس سے بڑھ کر اور اہمال کیا ہوگا کہ...

ع: خود گفتہ و خود ندانند کہ چیست

مولوی صاحب کی غرض یہ تھی کہ ''بین یدیہ'' کا مفہوم اتنے قرب قریب میں منحصر کریں کہ مسجد سے باہر نہ جا سکے، اس کے لیے جاں کاہ محنتیں فرما کر دانتوں پسینے لا کر یہ چالیس روایتیں لائے، اور فرمایا ان میں کہیں خارج بیت کا مطلب نہیں بنتا (دیکھو ص ۲۶)

مگر الحمد للہ دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

اولاً: ان میں زیادہ مزہ دار وہ کثیر و بسیار روایات ہیں جن کو سرے سے اس قرب ہی پر دلالت نہیں۔

جیسے روایت: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۰ و حدیث ۱، ۲، ۴، ۵، ۱۰، ۱۷، ۱۸،

ان اٹھارہ میں صرف لفظ ''بین یدیہ'' ہے اس کے ساتھ دیگر روایات کی طرح کوئی قرینہ بھی نہیں کہ قرب مذکور پر دلیل ہو۔ تو حاصل استدلال یہ ہوا کہ ان روایات

واحادیث میں لفظ ''بين يديه'' ہے، اور لفظ ''بين يديه'' غفار خانی گڑھت میں اس قرب سے مخصوص ہے، لہذا ''بين يديه'' ان میں اس قرب سے مخصوص ہے کہ یہ مصادرہ علی المطلوب نہیں تو کیا ہے؟۔

ثانیاً: ان میں بہت وہ ہیں کہ اگر مولوی صاحب وہ حد درجہ کی تنگ ڈیڑھ گز کی مقدار جس میں انہوں نے ص۳۲ ر پر ''بین یدیہ'' کو گھیر دیا ہے، تسلیم کر لی جائے جب بھی خارج بیت کا مطلب قطعاً درست ہے۔

مثلاً روایت ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، میں ہے: نمازی کے آگے تنور میں کراہت ہے، چراغ وقندیل میں نہیں۔

۷، ۸، ۹، ۱۰، میں سانپ بچھو سامنے سے گزرنے کا ذکر ہے۔

۱۱، ۱۲، میں کتاب وقرآن مجید سامنے ہونے کا۔

۱۵، ۱۶، میں تصویر کا۔

حدیث (۵) میں کہ بھٹی کسی کے سامنے رکھی تھی۔

حدیث (۱۱) میں کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیٹھا۔

حدیث ۱۳ ر میں کہ حضور اپنے کسی ہم نشیں کے سامنے پائے اقدس دراز نہ فرماتے۔

حدیث ۱۴ ر میں کہ حضور نے مجھے اس کے سامنے بٹھایا۔

حدیث ۱۵ ر میں کہ جب متخاصمین روبروئے قاضی بیٹھیں۔

کیا اگر دروازۂ قبلہ سے باہر متصل تنور ہو اور دروازہ کے اندر گز بھر کے فاصلہ سے نماز پڑھی تو کراہت نہ ہوگی؟۔ ''بین یدیہ'' ڈیڑھ گز تک مانا ہے۔ یا چراغ وقندیل کی روایت ہے۔ یا سانپ بچھو نمازی سے گز بھر دور، اس دروازے سے باہر گزریں تو اب اس کے قتل کی اجازت نہیں۔ یا کتاب یا قرآن مجید بیرون دروازے فصل سے ہو تو اس حکم میں نہیں۔ یونہی وہ لوگ دروازہ کے اندر گز بھر فصل سے تھے، اور بکری بیرون در متصل تو یونہی

ابو ہریرہ اور یہ راوی۔ یونہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریب در تشریف فرما ہوں اور حاضر آنے والا باہر متصل۔ اسی طرح قاضی و متخاصمین تو کیا یہ سامنے نہیں۔ یہ ۱۹/ مکابرے ہوئے، جملہ ۳۷/ ڈبل مہمل (۳۷/ روپے انعام)۔

قسم (۱۰) جھوٹے ترجمے دکھا کر دھوکے دینا

(انعام ۸۷ روپے)

(۲۸۵ تا ۳۱۲) مولوی صاحب! ''بین یدیه'' کی حقیقت تو آپ پر کھل گئی، اور آپ نے خود قبول دیا ہے کہ وہ قرب خاص پر بند نہیں جس کا بیان جناب کی خوبی قسمت کی شرح میں عنقریب آتا ہے۔ اب فرمائیے ص ۳۵/ سے ص ۳۸/ تک جو امداد الفتاح سے لے کر آخر تک کی عبارتوں میں ''بین یدیه'' کے ترجمہ میں لفظ (مسجد میں) اپنی طرف سے ٹھونس لیا، امداد و حموی و نہر ہر ایک کے ترجمہ میں وہ دو جگہ اور بے چارے حاشیہ ہدایہ علامہ عینی کی اکیلی عبارت میں اکٹھا سات جگہ اور باقی پندرہ میں ایک ایک جگہ، یہ اٹھائیس افترا کس شریعت سے حلال کر لیے، دین و دیانت کا دعویٰ ہے تو فوراً سے پہلے بو لیے کہ ان عبارات میں (مسجد میں) کون سے لفظ کا ترجمہ ہے، (اٹھائیس روپے انعام فی افترا ایک روپیہ)

خدا کی شان ان عبارات میں ''فی المسجد'' در کنار سرے سے مسجد کا نام تک نہیں اور ترجمہ ہو گیا کہ ''اذان مسجد میں'' ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھا یوں دن دہاڑے تم پر اندھیری ڈال کر مسجد میں اذان منوائی جاتی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

طرفہ یہ کہ ص ۴۱/ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جیتے افترا کر کے (جن کا بیان عنقریب آتا ہے) خود ہی قبول دیا کہ واقعی یہاں ''مسجد میں'' کسی لفظ کا ترجمہ نہیں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا کر کے خود ہی ٹھونس لیا ہے، فرماتے ہیں: ''اسی

بنا پر ہم نے بین یدیه کے یہ معنی لیے کہ قریب منبر کے مسجد میں''

ع: اس آنکھ سے ڈریے جو خدا سے نہ ڈری آنکھ

(۳۱۴ تا ۳۶۰) ص ۸ و ۹/ پر ۱۴/ عبارتیں لائے کہ حجہ وتحریمہ ومغرب کی بالواسطہ سندیں ملا کر ۱۷/ ہوئیں، پھر فرمایا: ''خلاصہ ترجمہ ان سب روایات کا یہ ہے'' اس خلاصہ میں فرمایا: کہ...

''دوسری اذان مسجد میں قریب منبر کے واسطے احیائے سنت اور اعلام حاضرین کے''

مسلمان دیکھ لیں کہ ان میں سے کسی عبارت میں نہ (مسجد میں) کا ذکر ہے نہ ''اعلام حاضرین کا'' لفظ ہے۔ یہ ۳۴/ افترا ہوئے۔ لطف یہ کہ حجہ وابراہیم شاہی ومستملی کے سوا کسی روایت میں خود اذان ثانی کا نام تک نہیں، اس کا ''مسجد میں'' یا ''اعلام حاضرین کے لیے ہونا'' درکنار۔ ۱۴/ افترا یہ ہوئے، جملہ ۴۸/۔ مولوی صاحب اٹھائیں (اڑتالیس روپے انعام فی افترا ایک)۔

(۳۶۱ تا ۳۷۱) فتوائے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ میں خانیہ وخلاصہ وعالمگیریہ وبرجندی وطحطاوی علی مراقی الفلاح عن القہستانی عن النظم، اور دو دو عبارتیں فتح القدیر وبحر رائق کی تھیں، جن میں سے چھ میں یہ تصریح تھی کہ اذان مسجد میں نہ دی جائے، اور چار میں یہ کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے، اور ایک میں یہ کہ اذان منارے پر سنت ہے، اور تکبیر مسجد میں۔ یہ عبارت اس مسئلہ میں ہے کہ اذان وتکبیر کی جگہ شرعاً جدا ہے۔ مولوی صاحب ص ۴۰/ پر ان گیارہ روایات کا مطلب یہ فرماتے ہیں:

''اولویت اذان کی ایسی محل میں کہ اسمع للجیران ہو خواہ منارہ ہو یا صحن مسجد ہو''

مسلمانو! نفی کا مطلب اثبات ٹھہرا لینا ایسے ہی مولوی صاحب کا کام ہے، شاید مولوی صاحب۔ ﴿لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا﴾ [سورة آل عمران: ١٣٠] کا مطلب یہی سمجھتے ہوں کہ..

''حکم معاملہ کا ہے ایسے محل میں کہ انفع للانسان ہو خواہ بیع ہو یا سود ہو''

مولوی صاحب کہیں ان عبارات میں صحن مسجد کا لفظ تک ہے، یا مسجد میں ممانعت صحن مسجد میں اجازت کا نام تک ہے، (گیارہ روپے انعام فی افترا ایک روپیہ)

یہ ستاسی افترا ستیاناسی افترا دل سے ترجمہ گڑھ کر کیے، اور اس پر یہ حیا کہ ص ۳۹ر پر اپنے خصم کی نسبت ارشاد ہے:

''ترجمہ گڑھا، مولانا کو نہ خدا کا ڈر، نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لحاظ، نہ اہل علم کا خیال کہ اپنی طرف سے معنی بنا لیے''

ع: چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

(قسم ۱۱) کمال ہذیان اور ائمہ پر بہتان

(انعام ۱۰ر روپے)

(۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴) ص ۱۹ سے ۴۳ر تک تمام بحث ''بین یدیه'' کا نچوڑ یہ ہے کہ جو چیز حقیقۃً آدمی کے دونوں کف دست کے وسط میں ہو بس وہی ''بین یدیه'' ہے۔

ص ۲۱ر ''بین یدیه'' کے کیا معنی ہوئے، درمیان دونوں ہاتھوں کے جب آدمی کھڑا ہو تو موضع قدم بین یدیه ہے، اگر ہاتھ آگے بڑھا لے تو ایک گز آگے کو ''بین یدیه'' شامل ہو گیا، جب آدمی بیٹھ کر سجدہ میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ ''بین یدیه'' ہوا، یہاں تک اطلاق حقیقی ''بین یدیه'' کا ہوا، اور اگر ورا اس کے کو ''بین یدیه'' کہیں تو مجاز ہوگا''

پھر کہا: ''فقہا نے معنی حقیقی اس کے موضع سجود کے لیے ماورا کو حکماً اور مجازاً شامل کیا، کسی مصلحت سے''

اسی کا اعادہ ص ۴۰ و ۴۱ پر ہے۔ ص ۳۲ر پر کہا: اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''بین یدیه'' کی مقدار تین ہاتھ ہے''

مولوی صاحب! ثبوت دو کہ فقہائے کرام نے کہاں فرمایا ہے کہ ڈیڑھ گز تک ''بین یدیہ'' حقیقت ہے آگے مجاز، کہاں فرمایا ہے کہ اس کے آگے کو ہم کسی مصلحت سے شامل کررہے ہیں۔ (دس روپے انعام)

(۳۷۴) اس جہالت کا سارا منشایہ ہے کہ مولوی صاحب ''بین یدیہ'' کے اجزائے ترکیبی کے معنی حقیقی لے بیٹھے، حالاں کہ مرکب کے معنی اجمالی بارہا ان کے سوا ہوتے ہیں، کشاف و مدارک وخطیب شربینی وفتوحات الٰہیہ و جامع الرموز وغیرہا نے تصریح کردی، کہ یہاں ''یدین'' سے مراد دو جہت مقابل ہیں کہ دونوں بازؤوں کی سمت پر ہیں۔

(۳۷۵) مجھے نقل عبارات کی کیا حاجت۔ مولوی صاحب خود اسی بحث میں ص۲۳ / پر قہستانی کی عبارت نقل کرکے اپنی ساری چنائی ڈھا گئے کہ "بين يديه أي بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أو للإمام و يساره قريباً منه" اور خود ہی اس کا ترجمہ بھی فرماگئے کہ ''بین یدیہ ای درمیان دونوں جہتوں یمین ویسار منبر یا امام کے، قریب منبر و امام کے''۔

(۳۷۶) جہالت اتنی کہ ''مسامتین'' کے کچھ معنی نہ سمجھے۔

(۳۷۷) دیانت اتنی کہ جب سمجھ میں نہ آیا تو اسے ترجمہ سے اوڑا ہی گئے، اور یمین وشمال امام کی سمت پر جو دو جہتیں عبارت میں تھیں انہیں خود امام کے یمین وشمال بنالیا کہ پھر خاصہ وہی دونوں بازؤوں کا وسط آگیا۔

(۳۷۸) بے عقلی اتنی کہ یہ مراد تھی تو أي کہہ کر تفسیر کی کیا حاجت تھی، يديه کون سا ایسا لغت تھا۔

(۳۷۹) پھر تفسیر بھی ہوئی تو یمین وشمال نہ کہ "جهتين مسامتتين لليمين والشمال" زہے ملائی۔

(۳۸۰) پھر یہ مراد ہوتی تو ''قريباً منه'' کا کیا محل تھا، کیا دونوں ہاتھوں کے بیچ میں آکر اور زیادہ قرب درکار تھا، یہ کہ سینہ یا شکم میں حلول کرجاتا، زہے دانائی۔ ہاں دونوں

جہتیں لیں جو بازؤوں کی سمت پر چلی گئی ہیں تو وہ تو عرش بریں کے منتہی تک ممدود ہیں، ان میں ضرور قید قرب کی ضرورت تھی۔

(۳۸۱) بہت اچھا، اب آپ اپنی گڑھت کی خبر لیں:

''جب ہاتھ آگے کو بڑھائے تو ایک گز آگے کو بین یدیہ شامل ہوگیا''

اور جب پیچھے کو بڑھائے تو کتنے کو شامل ہوا، ظاہر ہے کہ یوں پیچھے بھی جو کچھ فضائے ہر دو دست کے اندر آئے گا آپ کے طور پر بین یدیہ ہے، کیا خوب بین یدیہ وخلف کہ ازل سے متقابل تھے، قرآن عظیم میں ہر جگہ باہم مقابل رکھے گئے تھے، متحد ہوگئے۔ افسوس کہ جناب کو آگے پیچھے کی بھی خبر نہ رہی، اس سے بڑھ کر اور کیا ہذیان ہوگا۔

(۳۸۲) بہت اچھا، آگے کی قید اپنی طرف سے اب بڑھا لیجیے، اگرچہ لفظ میں اس کی گنجائش نہ رہی ہو، تو اب فرمائیں! یہ دونوں ہاتھوں کی فضا میں ہونا خاص اس وقت درکار ہے، یا جو چیز کبھی ایسی تھی اسے بھی شامل؟۔ بر تقدیر ثانی نمازی کے پیچھے گزرنا بھی حرام ہو کہ جب وہ دروازے سے چل کر مسجد کے اس محل تک آیا، پیچھے کی سب زمین اس پر گزرتے وقت اس کے ہاتھوں کی حد میں آچکی تھی، بر تقدیر اول نمازی قائم کے خاص موضع سجود میں گزرنا حلال ہو کہ اس وقت ہاتھوں کی حد میں نہیں، خود آپ ص ۲۱ و ۴۰ ر پر تقسیم مذکور کر چکے کہ...

''کھڑا ہے تو موضع قدم بین یدیہ ہے، جب سجدہ کرتا ہے تو محل سجود بین یدیہ ہوا''

تو کھڑے کے آگے ماتھے سے شانہ رگڑ کر نکل جائے حلال ہوگیا۔ مولوی صاحب نے شریعت ہی پلٹ دی۔

(۳۸۳) نیز بر تقدیر اول جب کہ خطیب منبر پر بیٹھا ہے تو اس کی رانیں بین یدیہ ہیں، مؤذن کہ اس سے الگ کھڑا ہے کیوں کر بین یدیہ ہوا، اس سے کہیے خطیب کی گود میں چڑھے، اس کی رانوں پر پاؤں رکھے کہ بین یدیہ ہو۔ بر تقدیر ثانی خطیب

بیرون مسجد سے مسجد میں گیا ہے تو بیرون مسجد **بین یدیہ** ہولیا تھا، وہاں اذان ہو **بین یدیہ** ہوگئی، **وللہ الحمد**، اب تو مولوی صاحب نے نہ ایک چنائی بلکہ اپنا سارا ہی گھر ڈھایا، وہ تھا ہی ﴿عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ﴾.

(۳۸۴) مولوی صاحب نے تین ذراع دیکھ کر ڈیڑھ گز بنالیا، کیا دلیل ہے کہ یہاں ذراع سے مراد ذراع کرباس ہے، جو ہمارے گز سے آدھ گز ہے، ذراعِ مساحت کیوں مراد نہیں، جو ساڑھے تین فٹ ہے "**کما في الخانية والبحر وردالمحتار وغيرها**" بلکہ یہاں پیمائش فاصلہ زمین کا ذکر ہے، تو ذراع مساحت ہی مناسب تر ہے، اب تین ذراع ہمارے گز سے ساڑھے تین گز ہوا، نہ فقط ڈیڑھ جو مولوی صاحب کا ادعا ہے، مولوی صاحب نے تو بیٹھ کر سجدہ کو کہا تھا، لیٹ کر سجدہ کریں اور اس میں بھی ہاتھ سر سے اونچے پورے پھیلا دیں جب بھی پاؤں سے ہاتھوں تک ساڑھے تین گز فاصلہ نہ ہوگا، جو قامت انسانی کا دوچند ہے۔

(۳۸۵) طرفہ جہالت یہ کہ مولوی صاحب تو موضع سجود محل پیشانی کو لیتے ہیں کہ جب آدمی سجدے میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ میں ''بین یدیہ'' ہوا، اور محل پیشانی محل سترہ نہیں ہوسکتا، کہ سترہ وہاں گڑا تو پیشانی وہاں کیسے رکھے گا۔ اور ص۳۲ پر عبارت جو نقل کی وہ محل سترہ کے لیے ہے، اور ٹھہرالیا اسے موضع سجود کے لیے۔

(۳۸۶) یہیں مولوی صاحب نے اپنی منطق دانی دکھانے کو فرمایا تھا:

''چاہو اس کو شکل اول کی طرف راجع کرو اور کہو مقدار بین یدیہ مقدار موضع سجود''

كل مقدار موضع سجود ه ثلثة اذرع. فمقدار بين يديه ثلثة أذرع" ی ه نتیجہ حاصل ہوا''

ہمارے بیان مذکور سے مولوی صاحب کی شکل بگڑ گئی کہ کبری غلط ہے۔

(۳۸۷ تا ۳۸۹) مزہ یہ کہ **بین یدیہ** کے حقیقی معنی ڈیڑھ گز گڑھے، اور اس کی سندوں میں ص۲۳ / پر غنیۃ کی عبارت لا کر فرماتے ہیں:

''یعنی اگر تصویر موضع سجود کے پاس ہو جہاں نظر مصلی کی پڑتی ہے وقت موضع سجود دیکھنے کے''

ص ۲۹ر میں اس پر اور رجسٹری کر دی کہ:

''تجنیس میں کہ صاحب ہدایہ کی ہے تصریح کر دی، کہ موضع سجود سے مراد منتہائے بصر تک ہے''

اور دوسری کے خلاف کا بھی دروازہ بند کر دیا کہ:

''علامہ شامی نے حاشیۂ بحر میں یہ تحقیق فرمائی'' کہ ''راجع دونوں قولوں کا واحد ہے، اختلاف عبارت ہے مراد ایک ہے''

یعنی جنہوں نے موضع سجود کہا ان کی مراد بھی یہی منتہائے بصر ہے۔ یہ تین دفعہ اپنی ساری چنائی ڈھائی۔ مولوی صاحب! کیا آپ کو اپنے موضع قدم سے ڈیڑھ ہی گز تک نظر آتا ہے، یوں ہے تو اپنی آنکھوں کا علاج کرانا آپ کے لیے مسئلہ علمی میں تحریر سے بہتر ہے۔

(۳۹۰) میں اس ڈیڑھ گز کی مقدار کو کہتا ہوں، مولوی صاحب نے تو بین یدیه کا سارا گھر ہی ڈھایا۔ بین یدیه تو یہ ٹھہرایا تھا کہ سجدہ کرنے میں جب زمین پر ہاتھ رکھے تو ہاتھوں کے بیچ میں جو جگہ ہے وہ بین یدیه ہے۔ کیا مولوی صاحب! آپ ایسا سجدہ کر سکتے ہیں کہ منتہائے بصر تک آپ کے ہاتھ پھیل جائیں؟۔ غرض ہر جگہ ''علی أهلها تجنی براقش''

(۳۹۱) اب تو مولوی صاحب کی شکل بالکل ہی بگڑ گئی، صغری میں اگر موضع سجود سے مراد محل پیشانی ہے تو مولوی صاحب کی انہیں تین شہادتوں سے صغری باطل۔ بین یدیه محل پیشانی نہیں، بلکہ منتہائے بصر ہے، اور اگر مراد منتہائے بصر ہے تو کبری میں بھی اگر یہی مراد ہے تو بداہۃً باطل ہے، منتہائے بصر ہرگز پاؤں سے صرف ڈیڑھ گز نہیں، اور اگر یہاں مراد محل پیشانی ہے، تو حد اوسط متکرر نہ رہا، بہر حال مولوی صاحب کی شکل بگڑ کر رہی۔

(۳۹۲) اس سے بڑھ کر لطف یہ کہ ص ۳۷ / پر بین یدی المصلی کی مقدار میں نو قول نقل کیے جن میں فقہائے کرام نے چالیس ہاتھ اور پچاس ہاتھ تک بین یدیہ لیا، اس پر مولوی صاحب کا عذر یہ کہ:

"لیکن خارج بیت اور مسجد کسی نے قول نہیں کیا"

جی وہ آپ کے حقیقی معنی صرف تین ہاتھ والے تو کوسی بُر د کر دیے، چالیس پچاس ہاتھ تک آدمی کے ہاتھ کیسے پھیل جائیں گے، کہیں یاجوج ماجوج تو نہیں دیکھ پائے، بین یدیہ کے معنی میں وسعت نہ ہوتی تو ائمہ میں یہاں تک اختلافات کیوں کر ہو سکتے، اب آپ کی حقیقت کی حقیقت کھل گئی، اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۳۹۳) اس سے مزہ دار تر یہ کہ وہیں اس پر امام ابن الہمام کا قول بھی نقل کر دیا کہ...

"منشا اختلاف کا سمجھنا معنی کا لفظ بین یدیہ سے، جو سمجھا اس کا اس نے قول کیا"

کہیے اپنی مجاز والی چنائی کیسی ڈھائی، فقہا موضع سجدہ سے آگے کو مجاز جانتے تو حقیقت چھوڑ کر مجاز کیوں کر لیتے، آپ ہی تو ص ۴۰ / پر فرما چکے

"جب تک حقیقت بر محل ممکن ہو مجاز ساقط"۔

(۳۹۴) اس پر طرفہ ہذیان مجاز و اشتراک کا سانگ، حقیقۃً یہاں مجاز سے علاقہ نہ اشتراک کا ساجھا، بلکہ بین یدیہ کا مفہوم ایک امر عام ہے، یہ سب اس کے افراد ہیں، اور علمائے اہل حق بار ہا افادہ فرما چکے کہ ایک فرد کی تعیین بقرینہ و مقام ہوتی ہے، اس قرینہ میں اختلاف ہوا، لہذا تعیین فرد میں اختلاف پڑا، جس کی بعض تفصیل بنایہ امام عینی میں ہے۔

وہ تھیں بین یدیہ میں مولوی صاحب کی احادیث و روایات، اور یہ ہیں اس میں ان کے دلائل واہیات، اور اس پر یہ غرہ کہ ص ۵۲ / پر فرماتے ہیں:

"مولانا اونٹ اپنے آپ کو بہت بڑا جامع ہے لیکن جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو

حقیقت کھلتی ہے"

مولوی صاحب اپنا قد شریف (۱) دیکھ کر آپ یہ مثل لکھتے تو بہتر تھا، آئینہ آپ کے قد کا تو شاید نہ ملے کسی تالاب ہی میں ملاحظہ فرمالیا ہوتا، ورنہ ان عظیم جبال کے نیچے آ کر تو سمجھ ہی جایئے گا۔

(قسم ۱۲) مولوی صاحب نے بت کے سامنے نماز پڑھنا حلال کرلیا

(انعام ۱۰/روپے)

(۳۹۵) قد آدم تصویر اگرچہ مجسم ہو نمازی نے اپنے قبلہ رخ دروازے سے باہر چوکھٹ سے ملا کر نصب کی، یا جانے دیجیے نصب تھی، اور خود اندر متصل در اگرچہ گز ہی بھر کے فاصلہ پر اس سمت کو نماز پڑھی کہ سجدہ کے وقت اس کے سر اور بت کی پاؤں میں بس ڈیڑھ گرہ کی چوکھٹ ہی حائل تھی، مولوی صاحب کے نزدیک یہ بلا کراہت جائز ہے کہ ان کے یہاں بین یدیه وہ پردہ نشین ہے جسے دروازے سے باہر قدم نکالنا محال، ابھی فرما چکے کہ...

"خارج بیت کسی نے قول نہ کیا"

ص ۲۱/ پر بولے: "خوبی یہ ہے کہ معنی مجازی بھی جو فقہا نے بین یدیه کے لیے ہیں وہ بھی محدود ہیں ساتھ داخل مکان کے خارج کا کہیں اعتبار ہی نہ کیا"

۱۔ شاید یہی وجہ ہوئی کہ اذان جو زمانۂ اقدس میں دروازہ محاذی قبلہ پر تھی مولوی صاحب نے منبر کے برابر کرلی، یعنی دروازہ سے قبلہ کو جو بھاگے تو منبر پر رکے، وہ تو خیر ہوگئی کہ منبر آڑے آگیا ورنہ خطیب کی کھوپڑی کی خیر مشکل تھی "أعوذ بالله من شر الأعجمين السيل والبعير الصؤل۔ ۱۲ منہ

جب بین یدیہ دروازے سے باہر مجاز اُبھی نہیں تو بت کو تو نہیں مگر اس کی سمت سجدہ میں مولوی صاحب کو کیا جائے عذر ہے کہ بیچ میں سد سکندر چوکھٹ فاصل ہے، مولوی صاحب بولیے (دس روپے انعام)۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

یہ ہیں وہ ناپاک معنی جن کو کہتے ہیں کہ:

''حضور پرنور نے لیے، ائمہ عظام نے لیے، فقہائے کرام نے لیے، اُف اُف اُف، تف تف تف۔ **ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم.**

(قسم ۱۳) عناد ہٹ دھرمی مکابرہ بے شرمی

(انعام عہ ۴/روپے)

(۳۹۶ تا ۵۲۲) ۱۲۷/روایتیں کہ بین یدیہ کے معنی تراشنے کو لائے اگر ابتداء ہوتیں محض جہل (۱) واہمال ہوتیں، مگر اَذان من اللہ، ووقایۃ اہل السنہ، وحق نما فیصلہ، وسلامۃ اللہ، میں روشن وقاہر، ظاہر و باہر بیانوں کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنا اور وہی بارہا کی مردودات سامنے لانا، مہملات بھرنے کے ساتھ کیسا شدید مکابرہ وعناد ہے۔

(۵۲۳ تا ۵۳۱) حق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ میں علی المنبر کے ایسے روشن جواب تھے کہ کور مادرزاد کی آنکھوں پر گزرتے تو انشاء اللہ القدیر روشن کر دیتے، انھیں دیکھ کر ص ۱۸ و ۱۹/ میں سات روایتیں ''علیٰ'' اور دو ''بر'' کی پیش کرنا کیسی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵۳۲) طرفہ جہالت یہ کہ انہیں کے ساتھ دسویں روایت فتاوی برہنہ کی بھی نتھی کر دی کہ ''چوں امام بر منبر نشیند مؤذن برابر استادہ اذان گوید''

اور فقط نتھی کرنا ہی نہیں بلکہ سمجھے ہی یہ کہ برابر کے معنی علی کے ہیں کہ انہیں روایتوں کو ص ۳۸/ پر فرماتے ہیں ''دس علی المنبر کی'' ہاں ٹھیک تو ہے، فارسی میں ایک ''بر''

---

(۱)۔ جس حیثیت سے وہ قسم ۸ میں مذکور ہوئیں۔

کے معنی علیٰ کے ہوتے ہیں، یہ تو دوبرَ ہیں یعنی علی علی المنبر یعنی منبر کے اوپر سے بھی اوپر۔ یعنی خطیب کے سر پر چڑھ کر۔

(۵۳۳) فتاوی برہنہ اگرچہ محض نامعتبر کتاب ہے، مگر مولوی صاحب کی فارسی دانی دکھانے کو اس کا حال بھی برہنہ کر دیں، فارسی میں برابر جس طرح بمعنی مساوی ہے یونہی بمعنی مقابل ومحاذی ہے،

صراح میں ہے: ''حذا برابر در جہت حاذاہ ای صار بحذاہٗ''

منتخب میں ہے: ''محاذاۃ برابر ہم واقع شدن''

مرآۃ الاصطلاحات میں ہے۔ ''برابر بروزن سراسر ساوی بمعنی مقابل وبالفظ دویدن کنایہ از پیشوار فتن''

خواجہ نظامی:

زشادی دو منزل برابر دوید بفرسنگ ہا فرش دیبا کشید

خواجہ آصفی:

من بآئینہ برابر نکنم آن رورا حیف باشد کہ دراں دائرہ بینم اورا

افسوس کہ مولانا نظامی قدس سرہ السامی نے برابر کو بارہ بارہ چوبیں کوس تک پھیلا دیا، آپ خطیب کی چھاتی پر چڑھائی دیتے ہیں۔

(۵۳۴) مقام میں جب برابر بمعنی مساوی ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہیں، صف برابر کرو یعنی سب پہلو بہ پہلو ہو جائیں، کیا موذن خطیب سے یوں برابر کھڑا ہو؟۔ اسے نہ کہے گا مگر احمق، لاجرم بمعنی محاذی ومقابل ہے، یہ ہمارا عین مقصود ہے۔

(۵۳۵) سلامۃ اللہ میں بتا دیا تھا کہ علی المنبر کہنے والے دلیل یہ لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اذان علی المنبر ہی تھی، خود آپ تحریر سوم میں اسے نقل کر چکے ہیں، اور قطعاً معلوم ہے کہ موذن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے ساتھ منبر اطہر پر ہر گز نہ چڑھتا تھا، تو علیٰ ہر گز بمعنی استعلا نہیں، لہذا مجبوراً آپ نے تحریر دوم میں اسے بمعنی عند لیا، یہ مجاز ہے۔ اور سلامۃ اللہ میں سن چکے ہو کہ علیٰ بمعنی لزوم حقیقت ہے، اور شک نہیں کہ یہ اذان ملازم منبر ہے، آپ حقیقت چھوڑ کر مجاز کی طرف بھاگتے ہیں، اور خود ہی اسی آثار المبتدعین ص ۱۶ ر میں نور الانوار سے نقل کر چکے ہیں کہ جب تک حقیقت بنے مجاز ساقط ہے، اور یہ کہ یہ ہم حنفیہ کا ایک بڑا قاعدہ ہے جس پر بہت سے احکام متفرع ہیں، اب اپنے داؤں کو نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے کام، نہ حنفیہ کے قاعدۂ عظیمہ پر عمل، اور دوسروں کو یہ کہو کہ

''نجد کو چلا جائے۔ یا نذیر حسین کی قبر کی مجاورت کرے''

سبحن اللہ، آپ تو اس قابل بھی نہ رہے، صرف قواعد حنفیہ ہی چھوڑتے تو نجد یا نذیر حسین کی قبر میں آپ کو جگہ ملتی، آپ تو حنفیہ کے ساتھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وطریقہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی چھوڑے ہوئے ہیں۔ نجدی ونذیر حسین اگر چہ خود بھی ایسے ہی ہیں مگر وہ زبان سے تو حدیث حدیث رٹے جاتے ہیں، آپ کی گزران میں بھی نہ ہوگی، لہذا کسی دار الحرب کو چلے جائیے یا چکڑالوی کی گور پر جاروب کشی فرمائیے، جو نہ حقیقت مانتا تھا نہ حدیث۔

(۵۳۶تا۵۴۶) فتوائے مبارکہ مطبوعہ محرم ۲۲ھ میں صاف تنبیہ فرمادی تھی کہ....

''متعلقات مسجد میں اذان کو یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ مسجد میں اذان ہوئی، منارہ بیرون مسجد پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ مسجد میں اذان ہوگئی، نماز کو چلو، یوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی نماز کو اٹھو''

پھر اسے کلام امام محقق علی الاطلاق سے روشن فرمایا تھا کہ :

''في المسجد أي: في حدوده، لكراهة ؛الأذان في داخله''(۱)

(۱) [فتح القدير . كتاب الصلاة ، باب صلاة الجمعة: ۲/۶۵]

یہ دیکھ کر بھی ص ۱۵و۱۶/ میں وہی گائے، اور گیارہ روایات بے حاصل لائے ۔ارشاد امام کا یہ چارہ کیا کہ عبارت ہی یوں غلط ہے،ان پر جو کوہ کیلاس سے اتری۔ "فصار کالأذان" ہے،محاورۂ عامہ پر ص ۵۳/ میں یہ ریز کہ...

"ہندیوں کا عرف عام دلیل عربی پر"

مولوی صاحب کبھی حج کو جانا نصیب ہو تو دیکھ لینا کہ منارے بیرون مسجد ہیں ،ان پر اذان ہوتی ہے اور سب اسے "أذان فی المسجد" ہی کہتے ہیں "قوموا فقد أذن خارج المسجد" کوئی نہیں کہتا۔

خیر آپ کو تو انکار بدیہیات کا مرض ہے، وہ جو "اذان من اللہ" میں روشن طور پر ثابت کر دیا تھا کہ شرع میں مسجد کے دو اطلاق ہیں، دونوں قرآن عظیم میں ہیں، مسجد کے دروازے، فصیل، دیوار، وغیرہا پر اذان مسجد، بمعنی اول سے خارج ہے اور اسی قدر اسے درکار ہے۔ اور مسجد بمعنی ثانی کے اندر ہے، اور اس میں اصلا حرج نہیں، خود زمانہ اقدس میں دروازہ پر ہوتی تھی، دیوار پر ہوئی، کنارہ سقف پر ہوئی، یہ سب کچھ دیکھ کر پھر ۱۲و۵۳و۵۴/ پر مجاز کی رٹ لگانا کیسا صریح عناد ہے، کیوں مولوی صاحب رب عزوجل نے جو فرمایا:﴿وَمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا﴾ (۲)

کیا یہاں مساجد سے مسجدیں مراد نہیں، بلکہ غیر مسجد کو اللہ تعالیٰ نے مجازاً مساجد کہہ دیا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا کلام بھی آپ کی انوکھی عربی پر دلیل نہیں ہوسکتا؟۔

ع: شرم بادت از خدا واز رسول۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۵۴۷تا۵۵۲) ص ۱۴۱/ پر

"اذان خطبہ تمام عالم عرب وعجم، ہندوافغانستان، خراسان وافریقہ، تمام امصار ودیار اہل اسلام میں قریب منبر مروج ہے، ایضاً تعامل اہل اسلام کا تمامی دیار وامصار ایضا

---

(۲) [سورۃ الحج: ۴۰]

اجماع امت ہے"

ص ۳۸ پر بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ص ۴۲/ایک طریقہ مومنین

"اذان خطبہ مسجد میں سلف وخلف سے برابر چلا آتا ہے"

یہ سب دعوے صریح کذب بھی ہیں اور شدید عناد بھی، ان کے روشن رد "وقایہ وسلامۃ اللہ وحق نما فیصلہ" میں بارہا کر دیے، مگر ہمیشہ سننا اور بہرا بننا سمجھ لیا ہے۔

(۵۵۳تا۵۵۶)ص ۴۶/یہ مکابرہ کہ:

"**علی باب المسجد** قول حضرت سائب بن یزید کا نہیں"

اور اسکی تین جاہلانہ وجہیں،سب کی خدمت گزاری وقایہ اہل السنہ وغیرہا میں کردی تھی۔

(۵۵۷تا۵۶۱)ص ۴۷/پر فقہ حنفی میں "علی باب المسجد" کی قید نہ لینے کو جودسویں سے چودھویں تک پانچ وجہیں کرلیا ہے،سلامۃ اللہ میں اسکے واضح رد تھے۔

(۵۶۲)ص ۴۹/پر "**ما رأه المسلمون حسنا**"(۱)

(۵۶۳)ص ۴۲/پر "**لاتجتمع أمتی علی الضلالة**"(۲)

ان کے کیسے روشن جواب سلامۃ اللہ ص ۳۵ و ۳۳ میں تھے۔

(۵۶۴)ص ۴۸/شیعی ہونا ابن اسحٰق کا۔

(۵۶۵)قدری ہونا ابن اسحٰق کا۔

ایک ایک بات کے کتنے کتنے رد وقایہ سے سلامۃ اللہ تک کر دیے، بقول مولوی

---

(۱) [مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان. باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۲۲٤]

(۲) [مشكاة المصابيح كتاب الإيمان باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۳۰]

صاحب اور ان کے تمام موافقین عجب مخلوق ہیں جن کو سو سو بار کے تازیانۂ تنبیہ کافی نہیں ہوتے، ایک بین یدیه ہی کو کہ سو بار روشن کر دیا ہے، جواب ایک حرف کا نہیں دے سکتے مگر سارے کے سارے اب تک اسی کو پیٹے جاتے ہیں۔

یہ ١٦٤/ عناد ہیں، اور انصافاً ..... آخر تک نہ فقط مولوی صاحب بلکہ ان کو سب موافقین سارے کے سارے ضد وحسد کے چوکھے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس پر کہاں تک انعام بڑھائیں، خیر سوا دس روپے انعام سہی، فی عناد ا/

قسم (١٤) تناقض اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی

(انعام ٣٢/ روپے)

اس کی آٹھ نظیریں رد ہذیانات میں گزریں، بعض باقی یہ ہیں:

(٥٦٦) مولوی صاحب نے آٹھ مہینے کتب خانہ چھانا، بین یدیه میں ١٢٧/ روایتیں لائے جن میں کیا کیا، خوب انصاف کیا، اب وہ حق کا ناحق خود سر پر چڑھ بولتا ہے، اہل حق کی آیات قرآن عظیم سے جواب کا وقت آتا ہے، یہاں جو جو حرکات مذبوحی فرمائی ہیں ان کی تفصیل تو ''سیف القہار'' میں ہے مگر ٹیپ کا بند تو یہ ہے کہ ص ٤٤/ پر بولے:

''ایک جگہ استعمال ایک لفظ کا ایک معنی میں ہو تو لازم ہے، سب جگہ اس لفظ کے وہی معنی لیے جائیں؟۔ یعنی لازم نہیں۔

(٥٦٧) ص ٤٥/ پر بولے:

''یہاں استعمال معنی میں مستلزم ہے کہ دوسری جگہ بھی وہی معنی مراد ہوں''

یہ عبارت '' آثار المبتدعین '' میں یونہی لکھی ہے، مولوی صاحب کی فصاحت وبلاغت تو آپ کی تحریروں سے آشکار۔ اور یہ بھی محتمل کہ شاید یہاں کاتب سے کچھ الفاظ رہ گئے ہوں، بہر حال مولوی صاحب قرآن عظیم کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آیات میں ''بین یدیه'' کے معنی اس قرب کے نہیں، کسی میں ہزار برس سے بھی بہت زیادہ، اور کسی میں

لاکھوں برس لاکھوں منزل کے فاصلہ پر بین یدیہ فرمایا ہے، اس سے یہ کب لازم ہے کہ دوسری جگہ یعنی مسئلہ اذان میں بھی وہی معنی مراد ہوں، ممکن کہ وہاں وہی قرب خاص مراد جو منبر و دروازہ کے، مثلاً دس گز فاصلہ پر باطل ہو جائے''

یہ تو ہر تھوڑے علم والا بھی دیکھ لے گا کہ مخالفین بین یدیہ سے اس قرب خاص پر دلیل لاتے ہیں تو ان کو محتمل کیا کام دے گا، مگر اتنی تو ہمارے عوام بھائی بھی سمجھ سکیں گے کہ مولوی صاحب نے دونوں معنی بین یدیہ کے مورد مانے: ایک وہ قرب تنگ۔ دوسرا اس درجہ عظیم و وسیع، اور یہ بھی مانا کہ یہاں ایک معنی مراد ہوں تو ضرور نہیں کہ دوسری جگہ بھی وہی مراد ہوں، اب وہ دس ورق کی ساری چنائی ﴿عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ﴾ [سورۃ التوبۃ:١٠٩] ہوگئی یا نہیں؟۔ چالیس نہیں چالیس سو جگہ تنگ قرب میں بولا گیا سہی، مگر کیا ضرور کہ مسئلہ اذان میں بھی وہی معنی مراد ہوں، ممکن کہ وہاں دوسرے ہوں۔

الحمد للہ قرآن عظیم خصوصاً عذاب شدید کی آیت نے مولوی صاحب کو مجبور کیا کہ بین یدیہ کے معنی میں بڑی وسعت عظیم مانیں، اور جو تنگیاں کی ہیں انھیں مردود و باطل جانیں، دیکھیے یہ وہی بات ہے کہ اہل حق کہتے تھے، اور آپ نہ مانتے تھے۔ الحمد للہ کہ حق کی سطوت عذاب شدید کی آیت نے آپ کو بلواہی چھوڑا، قبولواہی چھوڑا، والحمد للہ

(٥٦٨ تا ٥٦٩) امام شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ غزی مصنف تنویر الابصار قدس سرہ نے تعریف اذان میں اور اکابر کی طرح ''اعلام بدخول الوقت'' نہ فرمایا۔ علامہ مدقق محمد بن علی صاحب درمختار رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح شارحین متون کے نکات بیان کرتے ہیں اس میں یہ نکتہ بتایا کہ تعریف اذان، اذان ثانی جمعہ و اذان نماز قضا کو شامل ہو۔ اس پر جو مولوی صاحب نکھرنے بیٹھے ص ٣ سے ص ٥ تک اکیس روایتیں جوت لائے، جن میں شمنی و مجمع الانہر کی ایک ایک کو دو دو بنا کر ٢٣ ر بنائیں، اور صاحب درمختار کو مخالف غرض شارح و مخالف عقل و نقل کا خطاب دیا، اور حقیقۃً خود بے عقل۔ صاحب درمختار کی اس توجیہ کا منشا ہی یہ ہے کہ اور اکابر نے ''بدخول الوقت'' کہا، مصنف نے جو نہ کہا اس میں نکتہ یہ ہے، نہ

یہ کہ ان کو خبر نہ تھی کہ اوروں نے ''بدخول الوقت'' کہا ہے کہ آپ انہیں روایتیں سنانے بیٹھیں۔ طرفہ یہ کہ ان میں وہ روایات بھی لائے کہ وقت سے پہلے اذان منع ہے، یعنی یہ مسئلہ بھی صاحب درمختار کو معلوم نہ تھا، اب مولوی صاحب انہیں سکھائیں گے۔

خیر یہ تو مولوی صاحب کی اکیس بے عقلیاں ہیں، یہاں گزارش طلب وہ ہے کہ اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔ علمائے اہل حق عبارت درمختار اس مطلب واضح کے واضح کرنے کو لائے تھے کہ باب الاذان کے احکام اذان ثانی جمعہ کو ہی شامل ہیں، دیکھو صاحب درمختار نے فرمایا:'' لیعم بین یدی الخطیب '' آپ صاحب درمختار پر نکھرتے نکھرتے ٹیپ کا بند پھر وہی بولے جس سے ساری محنت گاؤ خورد و کوسی برد۔ ص ۶ پر فرمایا:

''محققین نے اس کو رد کیا، علامہ شامی فرماتے ہیں الخ''

قطع نظر اس سے کہ علامہ شامی کا یہ قول ''لقائل أن یقول '' سے شروع اور... پر ختم ہے جس میں اول کو آپ سمجھے نہیں اور آخر کو اڑا گئے، یہ تو دیکھیے کہ علامہ شامی نے یہاں فرمایا کیا، یہ کہ ''لو صرح لغیرہ بالوقت لم یرد ماذکر'' یعنی اگر مصنف علام بھی اور اکابر کی طرح ''بدخول الوقت '' کی قید لگاتے، جب بھی اذان خطبہ واذان فائتہ داخل ہی رہتیں، تو یہ مطلب اہل حق پر رجسٹری ہوگئی اور آپ کی محنت عدم آباد کو گئی، وللہ الحمد۔

(۵۹۰) طرفہ یہ کہ بین یدیہ کے حقیقی معنی وہ لیے کہ جو چیز فضائے بردودست کے وسط میں ہو اور خود ہی تقسیم کی کہ:

''کھڑا ہو تو موضع قدم بین یدیہ ہے، سجدہ میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ بین یدیہ ہوا''

اور ص ۳۲ / پر وہ حقیقت و تقسیم سب توڑتا فرمایا جاتا ہے کہ:

''بین یدیہ حقیقۃً قدم سے ڈیڑھ گز تک ہے، اس سے ظاہر ہو گئے معنی قول فقہا کے ''یؤذن بین یدیہ الخطیب'' یعنی اذان دی جائے قدم خطیب سے ڈیڑھ گز تک''

کیوں جناب سید ھے بیٹھے کے قدم سے ڈیڑھ گز تک ہاتھ کہاں ہیں، اب وہ حقیقت بگڑ کر یہ نئی حقیقت کدھر سے نکلی، وہ جو تقسیم میں ساجد کے حصے میں تھی قسمت توڑ کر جالس کو کیسے دی؟۔ کوئی حرف بھی ٹھکانے کا ہے۔ اگر کہیے فقہا نے نماز میں اسی کو حقیقت قرار دیا ہے کہ اس میں سجدہ ہے، اور سجدہ تین ذراع تک ہے، تو جناب خطیب تو نماز میں نہیں، اگر کہیے پڑھے گا، تو یہ باعتبار مایؤل إلیه ہوا، اور وہ مجاز ہے، حقیقت بہرحال اڑ گئی ، بلکہ نمازی کے لیے بھی غیر وقت سجود میں باعتبار ما کان ہے یا باعتبار اول؟۔ اور دونوں مجاز ہیں، کہیے آیا سمجھ شریف کے اندر کے بیچ میں یا نہیں؟۔

(۵۹۱) ص ۲۳ ر پر منتہائے نظر مصلی کی عبارت کو معنی حقیقی بین یدیه کی سولھویں سند گنا، ص ۳۱ ر پر فرمایا: ''موضع نظر کو مجازاً حکم بین یدیه کا دیا گیا''

(۵۹۲) نمبر ۳۸۷ ر میں سن چکے کہ منتہائے نظر مصلی تک بین یدیه ہونے پر کیسی کیسی رجسٹری کی۔ ص ۲۸ پر جو دو قول راجح بتائے تھے باقی مرجوح دونوں کا حاصل یہی قرار دیا، اور واقعی ہے بھی یہی۔ بایں ہمہ ص ۲۷ پر بولے ''خارج بیت کسی نے قول نہ کیا'' ص ۲۱ ر پر یہ کہ ''مجازاً بھی فقہا نے خارج کا کہیں اعتبار ہی نہ کیا'' جب تمام اکابر کا قول صحیح و معتمد یہ ہے کہ منتہائے نظر مصلی تک اس کا بین یدیه ہے، تو خارج بیت یقیناً معتبر ہوا جب قبلہ رخ دروازہ کھلا اور یہ اس کے قریب نماز پڑھ رہا ہو یقیناً نظر باہر پہونچے گی ،تو یقیناً خارج بیت جہاں تک منتہائے نظر ہو بین یدیه ہوا،

(۵۹۳) نہ سہی آپ وہ ڈیڑھ گز والا ہی لیجیے، چوکھٹ کے پاس باہر کو منہ کر کے بیٹھے، اب اپنی موضع قدم سے ناپ تو لیجیے ڈیڑھ گز باہر گرتا ہے، یا اندر؟۔ خارج بیت کو مطلقاً خارج کرنے نے ڈیڑھ گز کا ڈیڑھ ہی گرہ رکھا کہ چوکھٹ کی عرض پر ختم ہو گیا۔

(۵۹۴) ص ۲۵ ر پر عبارت امام محقق علی الاطلاق نقل کر کے اپنے تناقض پر رجسٹری کردی، جب مسجد کا بقعہ واحدہ ہونا بعید کو قرب نہیں کرتا، آپ کی چوکھٹ سے اندر باہر کا دو بقعہ ہونا قریب کو بعید کیسے کردے گا۔ منتہائے نظر تک قریب رہے گا، باہر پڑے

خواہ اندر۔

(۵۹۵) تحریر دوم میں کریمۂ ﴿جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا﴾ [سورۃ یٰس:۹] سند لاکر بین یدیہ کو اتصال حقیقی میں حصر کیا تھا، اب موضع سجود بلکہ منتہائے بصر تک پھیلا گئے۔

(۵۹۶) تحریر دوم میں بین یدیہ کو مسجد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نصف طول تک مانا تھا کہ ''منبر شریف و دروازہ شریف کے درمیان میں اذان خطبہ ہوتی تھی'' اب ڈیڑھ گز تک سمیٹ لی، کیا مسجد اقدس صرف تین چار ہی گز تھی۔

(۵۹۷) تحریر دوم میں تھا: ''اس قدر طویل مسجد شریف اس وقت نہ تھی کہ دروازہ سو قدم پر منبر شریف سے ہوتا''، اب چوتھی تحریر میں ایمان لائے کہ ''جب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مسجد شریف بنائی سو درطویل''۔

(۵۹۸) جب مسجد شریف کا یہ طول تھا، اور اذان آپ نے منبر اطہر و دروازۂ انور کے وسط میں مانی تو منبر سے تقریباً اڑتالیس ذراع کے فاصلہ پر ہوئی، یہاں ص ۵۸ پر منبر سے بیس گز فاصلہ بھی محال مانا بلکہ ان کی وہ برہان ہندی پوری ہو تو گز بھر فاصلہ بھی نہ ہو سکے، جس کا بیان مولوی صاحب کی ہندسہ دانی کھولنے میں آتا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ

(۵۹۹) تحریر دوم میں تھا ص ۹ ''عالمگیریہ میں علی المنبر اذان خطبہ کہا جانا فرمایا ہے جو ''علی'' بمعنی ''عند'' ہے''، بلکہ ص ۳ پر تھا ''یہاں مراد عند المنبر ہے نہ کہ منبر کے اوپر'' اور اس چوتھی ص ۱۹/ر میں ہے ''فقہا و ائمہ نے قید علی المنبر کی لگائی یعنی منبر پر کھڑے ہو کر اذان دی''۔

(۶۰۰) ائمہ پر یہ افترا بھی یاد رہے، ائمہ نے کہاں حکم دیا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر اذان دی۔

(۶۰۱) یہ عناد بھی یاد رہے، سلامۃ اللہ وحق نما فیصلہ میں کتنا سمجھا دیا کہ حکایت حکم نہیں ہوتی۔

(۶۰۲) تحریر دوم میں تھا ص ۵/ ''علی باب المسجد کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں'' چوتھی میں فرمایا: ص ۴۷/ ''قید علی باب المسجد مخترع ابن اسحاق کا ہے'' یعنی اب نیا الہام اترا کہ وہ سرے سے ہی نہیں، امام ابن اسحاق کی گڑھت ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

(۶۰۳) امام ابن اسحاق کو واضع حدیث اور حدیث صحیح سنن ابی داؤد شریف کو موضوع کہنے کا مکابرہ بھی قابل لحاظ ہے۔

(۶۰۴) اذان فی المسجد پر گیارہ مہمل دلیلیں لائے جن کا ذکر ردعناد میں گزرا، ان میں گیارہویں حدیث ابن ماجہ ص ۱۶/ پر ہے۔ ''من ادرک الأذان في المسجد''(۱)

ظاہر ہے کہ یہ ان گیارہ سے مستدل ہیں، اور ص ۴۰/ پر اس کا اقرار بھی کردیا کہ: ''اب اپنے استدلالات کو مجملاً بیان کرتے ہیں، اولاً آٹھ روایات تین حدیثیں''

فتوائے مبارکہ میں جو حدیث مذکور ابن ماجہ سے استدلال کا رد فرمایا، ص ۱۷/ پر جھٹ بدل گئے کہ: ''آپ مستدل ہیں''۔

(۶۰۵) انہیں گیارہ کو ص ۱۵/ پر یوں شروع کیا: ''اب ہم چند روایات لاتے ہیں جن سے صراحۃً بعبارۃ النص اذان پنج وقتہ مسجد میں ثابت ہے''

ص ۱۷/ پر جب وہ رد قاہر سنا تو کیا فرماتے ہیں: ''دوسرے تیسرے احتمال کی نفی نہ ہوئی'' چلیے وہ صراحۃً عبارۃ النص تین تین احتمالوں کی محتمل ہوگئی۔

(۶۰۶) اور تین سطر بعد جو پلٹا کھائیں تو پھر وہی بانگ کہ: ''تین حدیثیں آٹھ روایات سے بعبارۃ النص ثابت ہے'' زبان ہے کہ منٹ منٹ میں گرگٹ کے سے رنگ بدلتی ہے۔

---

(۱) [سنن ابن ماجہ: کتاب الأذان، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلا تخرج: ۲/۷۳۴-۱/۲۴۸]

(۶۰۷) تحریر دوم تک اقرار تھا کہ: ''مسجد میں اذان کہنے سے جو فقہائے کرام نے منع فرمایا، وہ اذان پنج گانہ واذان اول جمعہ کے لیے ہے''

ہاں ص ۱۵ و ۴۰/ پر ان کے جواز فی المسجد کی بھی دلیلیں تراشی جارہی ہیں، یعنی اب سرکلر جدید آگیا۔

(۶۰۸ تا ۶۱۱) ص ۵۹ و ۶۰/ پر بولے: ''اس تحریر میں ہم نے ردان اعتراضوں کا بھی کردیا وہ چون ہیں'' اور ایک ہی صفحہ پہلے کہہ چکے تھے ''ہم نے فقط چھ سوالوں کا جواب دیا ہے'' اس کا زیادہ بیان مولوی صاحب کے افترا بر خود میں آتا ہے۔

(۶۱۲ و ۶۱۳) یہاں اقرار ہے کہ چون اعتراضوں کا رد لکھا، نیز ص ۵۸/ کے حاشیہ پر بولے: ''پہلے چھ سوالوں کا جواب دیا ہے اور ان کے جوابوں کا رد'' اور ص ۲/ پر فرماچکے تھے ''اللہ اور اس کے حبیب پر روشن ہے کہ میرا ارادہ کسی کے رد کا نہیں''

﴿وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ (۱)

البتہ ان دو تناقضوں کا یہ جواب بہت صواب ہے کہ مولوی صاحب نے ارادہ کی قسم کھائی، اور آثار المبتدعین ساری کی ساری افعال غیر ارادیہ سے ہے کہ ہذیان (۲) اپنے اختیار سے نہیں ہوتا۔ بتیس تناقضوں پر بتیس روپے انعام، فی تناقض ایک روپیہ۔ دیکھیے یہ وَن روپی فنڈ آپ کے لیے کیسا لگا دیا ہے، احسان تو نہ مانیے گا۔

قسم (۱۵) ہنقہ پر گوئے سبقت لے جانا

(انعام ۱۸ روپے)

---

(۱) [سورة البقرة: ۲۰٤]

(۲) بلکہ یہ سبھی اعتراضوں کا جواب ہے کہ آدمی حالت ہذیان میں جو کچھ بَرّائے اس پر کیا اعتراض۔ ۱۲ منہ

(۶۱۴) بچہ بچہ جانتا ہے کہ بین یدیہ سے مخالفین دلیل لائے، اور اس سے مسجد کے اندر ہونے کا ثبوت چاہا۔ مولوی صاحب ضرورت سے زیادہ گھبرا کر یہ سمجھ بیٹھے کہ گویا اہل حق بین یدیه سے دلیل لاتے ہیں، اور اس سے بیرون مسجد ہونا ثابت کیا ہے، جا بجا آپ کا کلام، اسی وہم تراشیدہ کا غلام۔ ص ۴۴/ آیہ کریمہ: ﴿یعلم مابین أیدیھم﴾ [سورة البقرة: ۲۵۵] کے رد میں فرماتے ہیں:

"تیسری غلطی مولانا نے معین نہ کیا کہ یہ معنی بین یدیه کے حقیقی ہیں یا مجازی"

اہل حق نے قرآن عظیم سے استعمال ثابت کیا، اور آپ مان چکے کہ حقیقت اصل ہے، اثبات مجازیت ذمہ مستدل تھا نہ کہ الٹا مانع سے مطالبہ۔

(۶۱۵) "پانچویں غلطی: ایک جگہ استعمال ایک معنی میں ہو تو لازم ہے کہ سب جگہ وہی معنی لیے جائیں"

یہ وہی اینٹ ہے جس نے ساری چنائی، تحت الثری پہنچائی۔

(۶۱۶) "دسویں غلطی: یہ ثابت نہ ہوا اس سند سے کہ خاص خارج میں اذان ہو"

مولوی صاحب! کاہے سے کھائی تھی؟۔

۲۔ اس قسم میں ۴۸/ نمبر ہیں جن میں اکیس بے عقلیاں تھیں، اور تین افترا بر فقہا، عناد و مکابرہ باقی ۲۴/، اور دو دفعہ اپنی چنائی آپ ڈھائی کہ اس پر بھی انعام نکلا تھا کل بتیس۔ ۱۲

(۶۱۷) "گیارہویں غلطی: اگر مؤذن اذان مسجد میں دے تو اس کی نفی کی مثبت یہ سند نہ ہوئی"

مولوی صاحب ہوش میں آکر کہیے ہوش میں۔

(۶۱۸ تا ۶۲۱) ص ۴۵/ پر آیہ کریمہ: ﴿لہ مابین أیدینا﴾ [سورة مریم: ٦٤] کے رد میں فرمایا: "وہ گیارہ غلطیاں یہاں بھی ہیں"۔

(۶۲۲) آیہ کریمہ: ﴿بین یدیه عذاب شدید﴾ کے رد میں بولے:

''یہاں استعمال معنی میں مستلزم ہے الخ'' وہی قہری پتھر سارے گھر کا گھروندا گر۔
(۶۲۳) ص ۷۵/۷ ''دوسری غلطی یہ سمجھ لینا کہ یہ معنی متدعی ہیں خارج مسجد کو۔
(۶۲۴) تیسری غلطی عام معنی لے کر بلاوجہ تخصیص خارج کرنا''
سچ ہے انسان میں حواس ہی چیز ہیں۔
(۶۲۵) ص ۷۱/۷ ''آپ مستدل ہیں''۔
(۶۲۶) ''دوسرے تیسرے احتمال کی نفی نہ ہوئی''
وہی ان کی فاحشہ جہالتیں کہ تناقض میں ذکر کی گئیں۔
(۶۲۷ تا ۶۳۱) بین یدیہ کا بعض جگہ موارد قرب خاص میں مستعمل ہونا جس پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ۱۲/۷ مہملات بے علاقہ روایات لائے تھے، ص ۴۶/۶ پر ان کے نتیجہ میں پانچ ہنقیت دیتے ہیں، فتوائے مبارکہ میں جو بین یدیہ کا قرب خاص میں منحصر نہ ہونا آیات قرآنیہ سے ثابت فرمایا تھا اس پر بولتے ہیں کہ:

''یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، استعمال فقہا کے، لغت کے، شراح حدیث کے، تصریح فقہائے حنفیہ کے''

کلام کے اصل تیور تو یہ ہیں کہ مولوی صاحب قرآن عظیم کی تغلیط کررہے ہیں، کیا اس نے جو معنی ارشاد فرمائے معاذ اللہ غلط ہیں، اور ادنیٰ درجہ یہ کہ اس کی ارشادات کو حق مانا اور اپنے خصم کے لیے ناکافی جانا کہ ان روایات سے دوسرے معنی ثابت ہیں تو بات محتمل ہوگئی، اور بین یدیہ سے بیرون مسجد ہونے پر خصم کا استدلال باطل ہوا، یہ وہی ہنقیت ہے، مولوی صاحب کو یاد نہ رہا کہ مستدل وہ ہیں نہ کہ ان کے خصم۔ جب معنی قرآن مجید اور یہ معنی دونوں ثابت ہیں بات محتمل ہوگئی، اور بین یدیہ سے داخل مسجد ہونے پر آپ اور آپ کے سب موافقین کا استدلال باطل ہوگیا، وللہ الحمد۔

اور اس کے ساتھ ہی تو ارث کی رٹ کوسی برد کہ اس کا جوش اسی کے بل پر تھا، وللہ الحمد.

اٹھارہ ہنقیوں پر اٹھارہ روپے انعام۔ ہنقہ بے چارے کو تو یوں دھوکا ہوا کہ اس کے گلے کا ہار دوسرے نے پہن لیا، آپ کو کیا دھوکا لگا کہ مستدل سے مانع بن بیٹھے۔ مانع کو مستدل سمجھ لیے۔ ہنقہ کو اس تبدیل پر بھی تردد رہا کہ اپنے گلے کا ہار بھائی کے گلے میں دیکھ کر کہا "یا أخي أنت أنت أم أنت أنا" بھائی تو تو ہے یا تو میں؟۔ مولوی صاحب جزم کر بیٹھے کہ میں میں نہیں، میں تو ہوں۔ زہے ملائی۔

قسم (۱۶) بدقسمتی کہ سند میں وہ لائیں جوان کا ہی گھر ڈھائیں
(انعام ۱۱ روپے)

(۶۳۲) مخالفین کا بڑا اغل مؤذنان حرمین شریفین سے استناد ہے، اس چوتھی میں بھی ص ۱۸ و ۲۱ پر اس سے استناد ہے، اور دوسری میں تو وہ زور شور تھے کہ مؤذن لوگ نبی یا فرشتہ معصوم بنالیے، دیکھو "نفی العار"۔ اس چوتھی میں بدقسمتی، جو رد پر آئے ص ۴ / پر ہدایہ کا وہ قاہر قول نقل فرماگئے جو "حق نما فیصلہ" نے سنایا تھا کہ دیکھو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ کے اہل حرمین تابعین و تبع تابعین کا توارث نہ مانا اور فرمایا حدیث و دلیل ان پر بھی حجت ہے، اور ان کے توارث سے سند لانے والوں پر بھی۔

(۶۳۳ تا ۶۳۷) شروع آثار المبتدعین سے ص ۱۰ تک یہ جوشش عقل ہے کہ اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، یہ اول تو مکابرہ ہے، خلاف اجماع ہے، خود بھی اسے اول سے آخر تک اذان ہی کہا ہے، اور ہر مسلمان اسے اذان ہی کہتا، اذان ہی جانتا ہے، پھر جا بجا خود اسے اذان ثانی کہا، جب وہ اذان ہی نہیں اول کی ثانی کیسے ہوئی۔ یہ تناقض ہے جیسے کہا جائے کہ مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری اور اشرفعلی تھانوی کہ رام پوری نہیں ان دونوں رامپوریوں میں کس کا گھر کوسی سے قریب ہے۔ پھر اس کی سند میں جو عبارات لائے ان میں ص ۷ / پر "زاد التقوی" سے ہے۔ "اذان ثانی وقتیکہ برائے خطبہ

الخ'' بجا ہے، یعنی وہ اذان کہ اذان نہیں، اس وقت دیں۔ نیز ترغیب الصلاۃ سے ہے:
''درعہد امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منارہا شد و بانگ مکرر شد'' مولوی صاحب یہ کیا نقل کی جب وہ اذان ہی نہیں مکرر کیا شد۔

(۶۳۸) اس عظیم جلیل اذان کو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی اذان سے خارج کرنے کا یہ حیلہ گڑھا کہ وہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، اس کے لیے عبارات علما پر کتنے افترا کیے کہ قسم ۱۰ر میں مذکور ہوئے۔ شک نہیں کہ اذان خطبہ شرعاً اذان ہے، کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جو اذان خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی اور زمانہ اقدس میں صرف وہی تھی اور قرآن عظیم میں اسی کا ذکر ہے، وہ اذان شرعی نہ ہو۔ اب مولوی صاحب کی قسمت دیکھیے ص ۵ر پر مان گئے کہ ''اذان شرع میں نام اعلام غائبین کا ہے،'' اور اس پر مستخلص کی عبارت بھی نقل کرلائے، تو بے شک اذان خطبہ اعلام غائبین ہے۔ خود ہی اپنی ساری چنائی ڈھائی جو سترہ ۱۷ر روایتوں پر افترا کر کے بنائی کہ اذان خطبہ اعلام حاضرین ہے۔

(۶۳۹) ائمہ دین نے جو اذان کو مسجد میں مکروہ بتایا ص ۱۰ر سے ۱۳ر تک اس کے یہ معنی گڑھے ''اذان ایسی جگہ ہونا جہاں سے ہمسایوں کو آواز زیادہ پہنچے، پھر زور دیا کہ یہ امر صرف مستحب ہے، اسی بنا پر ص ۴۰ر میں وہ کہا جو قسم ۱۰ر میں گزرا کہ:

''روایات مولانا سے اولویت اذان کی ایسے محل میں کہ اسمع للجیران ہو''

غرض ائمہ کے حکم کراہت کو صرف ترک مستحب کی طرف پھیرا اور ساتھ ہی جو بد قسمتی زور کرے ص ۱۱ر پر بحر الرائق کی عبارت نقل کرلائے (**لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ**)(۱)

اور ترجمہ بھی فرمادیا ''نہیں لازم آتا ترک مستحب سے ثبوت کراہت'' ائمہ کے

---

(۱) [البحر الرائق شرح کنز الدقائق: الجهر بالتكبير فی العيد، ۱۷۶/۲]

مکروہ بتانے کو ترک مستحب کی طرف پھیرنے کا خود ہی رد کر دیا، اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۶۴۰) ص ۱۰ ر پر ابطال حق کو اپناز ور اجتہاد لے کر چلے کہ:

''درایۃً کوئی وجہ کراہت وممانعت کی قائم نہیں''

اور بدقسمتی ص ۱۱ ر پر بحر الرائق سے نقل کر لائے کہ :(**الکراھة لابد لها من دليل خاص**)(۱)

خود ہی ترجمہ کیا ''واسطے ثبوت کراہت کے ضرور ہے دلیل خاص'' جب ائمہ حکم کراہت فرمارہے ہیں اور ثبوت کراہت بے دلیل خاص ناممکن تو قطعاً معلوم ہوا کہ شرعاً دلیل کراہت قائم ہے گو آپ کی ناقص عقل میں نہ آئے۔

(۶۴۱) ص ۳۴ ر پر مراقی الفلاح کی عبارت لائے ''**والأذان بين يديه جرى به التوارث كالاقامة**''(۲)

اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ مطلب گڑھنا چاہا کہ جس طرح تکبیر مسجد میں ہے یونہی یہ اذان۔ ہر شخص کہ مراقی الفلاح دیکھے گا بداہتۃً سمجھ لے گا کہ یہ تشبیہ سنت ہونے میں ہے، یعنی اذان خطبہ سنت ہے جیسے اقامت۔ اس کا بیان وافی انشاء اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کی قسم جہالت میں آئے گا۔ مگر بدقسمتی کا بھلا ہو ساتھ ہی صاحب مراقی الفلاح رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح کبیر امداد الفتاح کی عبارت بھی ص ۳۵ ر پر نقل کر دی کہ ''**والأذان بين يديه كالاقامة سنة**'' یعنی اس کے سامنے اذان بھی اقامت کی طرح سنت ہے جس نے کھول دیا کہ تشبیہ سنت ہونے میں ہے۔

(۶۴۲) فیصلہ حق نما وغیرہ میں علمائے اہل حق مجمع البحار کی عبارت سے سند لائے

---

(۱) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: الجهر بالتكبير في العيد، ۲/۱۷٦

(۲) [مراقي الفلاح شرح نور الايضاح: باب صلاة الجمعة: ۱/۱۹٦]

تھے کہ ''فعلت بین یدیک أي : بحضر تک ''یعنی بین یدی کا اتنا مفاد ہے کہ حاضر ہو غائب نہ ہو۔ خوبی قسمت سے مولوی صاحب بھی ص ۲۰؍ پر اسے نقل کر لائے اور الٹی سمجھے کہ وہ اس تنگ قرب کی دلیل ہے جسے ڈیڑھ گز سے آگے تین ہاتھ پیراتا ہے۔

(۶۴۳و۶۴۴) اپنے اس چاک کارفو صراح وغیرہ کی عبارت سے چاہا تھا کہ ''حضرت نزدیکی'' اور اسی لفظ قرب پر جا بجا عقل سے بعد لیا ہے، یہیں جو عینی و حلبی کی عبارات اور ص ۲۳؍ پر جامع الرموز کی عبارت میں قرب کا لفظ لے آئے تھے ص ۴۶ میں ان پر پھولے اور معنی ارشاد فرمودۂ قرآن عظیم کو ''مخالف تصریح فقہائے حنفیہ'' کا لقب دیا، یہ اول عناد تھا۔ ''حق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ'' میں کیسا کھول کر دکھایا تھا کہ قرب امر اضافی ہے، اللہ عزوجل نے قیامت بلکہ حساب کتاب کو قریب فرمایا ہے، پھر بدقسمتی جو رنگ لائی ص ۴۵؍ پر صحیحین کی حدیث ''بعثت انا والساعة کھاتین ویقرن بین اصبعیه السبابة والوسطی'' (۱) لے آئے جسے اپنے قصور نظر سے صرف مسلم کی طرف نسبت کیا جس میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا، میری بعثت اور قیامت ایسی نزدیک نزدیک ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ یہ انگلیاں خود ہی نزدیک تھیں، انھیں بھی باہم ملا کر ارشاد فرمایا، اب نزدیکی وقرب کا حال کھل گیا، جب بعثت شریف وقیامت اس درجہ قریب ہیں حالاں کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے آئے اور ہنوز دقت باقی ہے، تو منبر وکنارۂ مسجد کا فاصلہ کیا ایسا ہے کہ نزدیکی وقرب و بین یدیہ نہ رہے۔ ساری چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۶۴۵) بین یدیہ پر کیا کیا جوش خروش تھا، کن کن عنادوں فسادوں سے اس کے معنی وہ تراشے جو اسے دروازہ مسجد تک ہرگز نہ جانے دیں، بلکہ ڈیڑھ گز سے آگے نہ بڑھنے دیں، پھر خوبی قسمت جو زور لگائے ص ۲۱؍ پر بولے ''صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کلام

---

(۱) [صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب صفة خطبة: ۱۹۶۰:۱/۷۳۰]

واستعمال ہمارے واسطے سند ہے، عالم کے فصحا سے ان کو ہم افضل جانتے ہیں'' کیوں حضرت کیا سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی ابن صحابی عربی النسل عربی الوطن آپ کے نزدیک صحابی اور فصحائے مابعد سے افضل نہیں جواذان خطبہ کو''**بین یدیہ علی باب المسجد**''فرمارہے ہیں۔

(۶۴۶) طرفہ تر یہ کہ اسی حدیث سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صفحہ ۴۵ر میں بہت اچھل کود تھی کہ''**معنی بین یدیه** کے اس حدیث سے ہرگز واضح نہیں''اور وہیں وہیں اسی منہ میں بدقسمتی نے جوزور کرے فرماگئے:''قاعدہ ہے کہ جب لفظ حدیث کے معنی خود شارع علیہ السلام یا صحابہ کرام بیان فرمادیں اول مرتبہ وضاحت کا یہ ہے'' کہیے جب سائب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ **بین یدیہ** کے معنی خود بیان فرمارہے ہیں کہ''**علی باب المسجد**''تو اول مرتبہ اعلی درجہ کی وضاحت ہوئی یا نہیں۔شاید مولوی صاحب نے آثار المبتدعین حالت سرسام میں لکھی۔ان گیارہ بدقسمتیوں پر گیارہ روپے انعام۔

(قسم ۱۷) بے تمیزی

(انعام ۸ روپے)

(۶۴۷) فہرست میں گناتے ہیں''فتاوی مغرب'' مولوی صاحب کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ مغرب ہو یا معرب دونوں لغت کی کتابیں ہیں، ان کو فتاوی کہنا شاید آپ نے رامپور کے فتاوی غیاث اللغات یا فتاوی خالق باری میں دیکھا ہوگا۔بتائیے تو فتاوی مغرب کون سا فتاوی ہے۔

(۶۴۸) فہرست میں کتب فقہ کے نیچے گناتے ہیں''عینی شرح بخاری'' بہت ٹھیک اور فتاوی عالمگیری کو شروح حدیث میں کیوں نہ گنا۔

(۶۴۹) ص ۳۰ر''امام محمد عطف تفسیری **بین یدیہ** کا ساتھ موضع سجود کے کرتے ہیں: إن محمداً رحمه الله تعالیٰ جعل جلوس الإمام في المحراب وهو

مستقبل لہ بمنزلة بین یدیہ وموضع سجودہ" (حمیدیہ حاشیہ ہدایہ)(۱)

جناب یہ امام محمد سے حکایت حکم ہے یا روایت لفظ؟۔عبارت حمیدیہ کی ہے یا امام کی۔عطف تفسیری حمیدیہ نے کیا، یا امام نے؟۔ زہے ملائی۔

(۶۵۰) اسی کے بھروسے ص ۴۶/ پر بولے "امام محمد نے بین یدیہ کے معنی بیان فرمائے" تمیز بشرح صدر۔

(۶۵۱) شاید جس طرح لغت کی کتاب کو فتاویٰ سمجھ لیا، حمیدیہ کتاب فقہ کو لغت سمجھ بیٹھے، ورنہ ایسی تفسیرات علما تفسیر مراد محل ہوتی ہیں نہ کہ تفسیر لفظ متداول، تو حاصل اتنا کہ یہاں یعنی مسئلہ مرور میں بین یدیہ موضع سجود ہے، نہ یہ کہ لفظ بین یدیہ کے معنی خود موضع سجود ہیں، یا وہ کہ موضع سجود سے متجاوز نہ ہو۔ زہے تمیز۔

(۶۵۲) ص ۳۰/ "فقہا نے تصریح کی کہ مرور جو ممنوع ہے وہ مرور بین یدیہ موضع سجود میں ہے

"والممنوع هو المرور بین یدیه موضع سجوده" حاشیہ مولانا الہداد برہدایہ"

جناب بین یدیہ عام تھا، موضع سجود سے اس کی تخصیص کی۔ یوں کہیے فقہا نے تصریح کی کہ جس بین یدیہ میں مرور ممنوع ہے وہ بین یدیہ موضع سجود ہے۔ آپ سمجھ بیٹھے کہ بین یدیہ موضع سجود میں منحصر ہے، آپ کو کہا جائے: مولوی ہندی رام پوری، اس سے کوئی احمق ہی سمجھے گا کہ ہندوستان رامپور میں محصور ہے، آپ کو تخصیص و تفسیر میں تو تمیز نہیں، تفسیر مراد و تعریف لفظی میں کیا ہوتی۔

(۶۵۳) ص ۳۱/ "فی المحیط مقدار مایکرہ المرور بین یدی

(۱) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: باب الأكل والشرب في الصلاة، ۲/۱۷]

المصلي موضع سجود ولا يكره ماورائه.(۱)

دیکھو صاحب محیط فرماتے ہیں: مقدار اس موضع کی جس میں مرور مکروہ ہے، وہ بین یدیه موضع سجود ہے"

بین یدی المصلی مرور سے متعلق تھا، اور مقدار کی خبر "موضع سجودہ"۔ آپ نے "بین یدی المصلی" کو خبر بنادیا اور "موضع سجودہ" کو اس کی تفسیر۔ مستدل صاحب عبارت کی ترکیب سیکھیے۔ (۶۵۴) آگے فرماتے ہیں:

"اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ موضع سجود اور بین یدیہ ایک چیز ہے"

جی بالکل ایک، جیسے رامپور اور ہندوستان۔

(۶۵۵) "دوسری بات یہ کہ مقدار بین یدیہ اور موضع سجود کی ایک ہی"

بہت خاصے دونوں کو ایک مان کر اب دوسرا دقیق استنباط فرمایا جاتا ہے کہ اس شی واحد کی مقدار بھی واحد ہے، کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہے تو ایک چیز مگر مقداریں دو ہیں۔ الحق

ع: آدمی آدمی حواس سے ہے

(۶۵۶) اور اس پر استدلال کتنا نفیس ہے "اس لیے کہ حکم کراہت مرور کا بیان کیا ہے، اس کے واسطے محل چاہیے، محل ممنوع بین یدیہ اور موضع سجود سے اسی کی مقدار کا بیان ہے"

اس ہذیان کا مزہ تو ہم اہل علم کے مذاق پر چھوڑتے ہیں، کیا نفیس دلیل ہے کہ افلاطون کے مٹکے سے ابھی برآمد ہوئی ہے، مگر یہ تو فرمائیے کہ بین یدیہ اور موضع سجود تو وہ شی واحد ٹھری جس کی مقدار کا بیان منظور ہے، اور وہ بیان کدھر گیا، کیا مٹکے سے

---

(۱)[المحيط البرهاني في الفقه : الفصل التاسع عشر في المرور بين يدي المصلي، ۴۳۱/۱]

نکل کر پھر مٹکے میں گھس گیا، یایوں کہیے کہ بین یدی المصلی مع اپنی تفسیر "موضع سجودہ" کے تو مقدار کا مضاف الیہ ہوا کہ اس کی مقدار کا بیان ہے، یعنی یہ تفسیر و مفسر مل کر "مایکرہ المرور" کی تفسیر ہوئی، یہ تفسیر و مفسر مل کر "مقدار" کے مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، خبر کدھر گئی؟۔ زہے ملائی

(۶۵۷) آگے بولے "مراقی الفلاح وغیرہ میں قدم مصلی سے موضع سجود تک کی مقدار تین ذراع معین کرتے ہیں جہاں سترہ کا بیان ہے"

آپ کو موضع سترہ اور موضع سجود میں بھی تمیز نہیں، لکڑی نصب کر کے خاص اس جگہ جہاں لکڑی ہے، پیشانی رکھ کر تو دکھایئے۔ خیر اس جہالت کو تو ہذیانات والا میں ذکر کر دیا، مگر آپ کو کتاب اور اس کے حاشیہ میں تمیز نہیں، یہ عبارت مراقی الفلاح کی ہے۔ یا اس کے حاشیہ علامہ طحطاوی کی۔ ہاں شاید یہ اس وزن پر ہو کہ عبارت امام ابن الہمام سند اہل حق کو عبارت غنیّہ ٹھہرایا کہ وقعت گھٹا کر مردود نامعتبر ٹھہرادیں، یہاں اپنی مہمل سند میں کلام محشی کو عبارت اصل بنالیا کہ کسی طرح قدرے وقعت بڑھالیں۔

(۶۵۸) اور سنیے تو! یہ "وغیرہ" تو بتایئے کون ہے جس نے "والظاهر اعتبار هذاالمقدار من قدمه" کہا۔ یا یہ بھی وقعت بڑھانے کو جھوٹ کہہ دیا۔

(۶۵۹) علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ تیرہویں صدی کے فضلا سے ہیں، ان کا "الظاہر" فرمانا ہی بتا رہا ہے کہ یہ تین ذراع قدم سے لینا انہوں نے کسی عالم سے مصرح نہ پایا، نہ خود انہیں اس پر وثوق، جب تو فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رسالہ ذبیحہ میں فرماتے ہیں: ظاہر کہنے والا خود اس بات کا قائل نہیں ہوتا بلکہ اس میں اسے شک ہے، حیث قال "دریں عبارت لفظ ظاہر دلالت بوقوع شک می کند ولا قول للشاک" لہٰذا اس پر آپ کا فرمانا کہ:

"اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ بین یدیہ تین ہاتھ ہے" عجب بے تحقیق ہے۔

(۶۶۰) نہ ایک مراقی الفلاح کہ عامہ کتب میں یہ تصریح فرما کر کہ نمازی سترہ

بین یدیہ نصب کرے، پھر یہ حکم جدا لکھتے ہیں کہ سترہ سے نزدیک ہو۔ اس نزدیکی کی مقدار حلیہ وغیرہا میں تین ذراع بتائی، اگر خود بین یدیہ یہیں تک محدود ہوتا جیسا آپ کا زعم باطل ہے، تو یہ دوسرا حکم لغو، بلکہ معاذ اللہ جہل ہوتا کہ سترہ کا محل بین یدیہ ہے اور بین یدیہ صرف تین ذراع ہے، سترہ بھی تین ہی ذراع تک تھا، اس میں نزدیکی ہو کر بھی اتنی کا اتنا ہی رہا۔ علما آپ کی جہل سے بری ہیں، یقیناً بین یدیہ زیادہ کو شامل ہے، جب تو اس میں نزدیکی ہو کر اتنا فاصلہ رہا۔ اپنے رد کو اپنی سند سمجھنا کیسی تمیز ہے۔

(٦٦١) ص ۲۸ ر پر فتح القدیر کی عبارت نقل کی "ماصحح فی النهاية مختار فخر الاسلام ورجحه فی النهاية"(۱)

اور آگے "انتہی" لکھ دیا۔ یعنی فتح کی عبارت ختم ہوئی۔ باتمیز صاحب! اب عبارت کا مطلب تو کہیے وہ کہ: نہایہ میں جس کی تصحیح کی، نہایہ میں اسے ترجیح دی۔ ایسا حمل اولی آپ کے یہاں مفید ہوتا ہوگا، جیسے وہ جو نجو خان کے گھیر میں ہے، وہ کیا ہے نجو خان کے گھیر میں ہے۔ ائمہ کو اپنی تمیزداری سے معاف رکھیے۔ فتح کی عبارت یوں ہے:

"ورجحه في النهاية بأن المصلى إذا صلى على الدكان أيضاً الخ "(۲)

تو یہاں سے یہ بیان تھا کہ نہایہ نے اسے اس دلیل سے ترجیح دی، آپ نے "بأن المصلى" سے آخر تک ساری عبارت کاٹ کر "انتہی" لکھ کر اپنی تمیز کی انتہا کر دی، آپ کو یہ تو خبر ہی نہیں کہ فقرہ کہاں تمام ہوا، اور خالی نقالی کو بیٹھ گئے۔

(٦٦٢) ص ۲۰ ر پر فضول مہمل "بَیــنَ" کے معنی کی بین بجائی۔ اس میں فرماتے ہیں:

---

(۱) [فتح القدير لإبن الهمام :باب مايفسد الصلاة ومايكره، ۱/٤٠٦]

(۲) [فتح القدير لإبن الهمام: باب مايفسد الصلاة ومايكره، ۱/٤٠٦]

"صاحب تاج العروس سند لائے کلام ہذلی سے"

تاج العروس کی عبارت یہ ہے: بین کے معنی راغب سے وہ نقل کیے جو مولوی صاحب یہاں اٹھالائے پھر فرمایا: "قال الجوهری وهو ظرف وإن جعلته اسما أعربته تقول: لقد تقطع بينكم برفع النون كماقال الهذلي فلاقيته الخ"(۱)

کیوں مولوی صاحب یہ بین پر سند ہے یا اس پر کہ بین کو اسم کریں تو اعراب قبول کرتا ہے، آپ کو ایک حرف سے تو مس ہوتا نہیں اور فضول.

ع: روئے کاغذ سیاہ کرتے ہیں

اور سنیے! سمجھ یہ تھی تو اس اعراب کی سند میں تو اول انھوں نے آیہ کریمہ ﴿لَقَدُ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمُ﴾ پیش کی تھی، جس میں ایک قرأت متواترہ رفع نون ہے، آیت چھوڑ کر شعر پکڑنا طرفہ تمیز ہے۔ ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾(۲)

(۶۶۳) ص ۱۲/ پر "ینبغی" بمعنی استحباب کی عبارت نقل کرنے کا جو جوش چرایا "مجمع الانہر" کی عبارت اٹھالائے کہ "الوضوء للأذان مندوب فح ينبغي أن لايكون تركه مكروها"

مولوی صاحب آپ کو حکم و بحث میں تمیز نہیں، "ینبغي" جب فعل پر داخل ہو حکم ہے، اور حکم پر داخل ہو تو بحث۔ مکروہ نہ ہونا حکم ہے نہ کہ فعل۔

درمختار بحث نیت میں ہے: "في الأشباه ينبغي أن تكون عند غسل اليدين" (۳)

---

(۱) [تاج العروس : ۲۹٦/۳٤]

(۲) [سورة البقرة:٦١]۔

(۳) [الدر المختار: سنن الوضوء، ۱/۱۰۷]

ردالمحتار میں فرمایا: "ینبغي أن تکون أي: النیة ـ والذي رأیته في الأشباه یکون بالیاء التحتیة، أي: یکون وقتها ،فعلی الاول ینبغي بمعنی یطلب. وعلی الثاني هي مایستعملها العلماء في مقام البحث في مالانقل فیه وهو المتبادر من الأشباه"(۱)

آپ کوتو کیا نفع کی امید، مگر آپ کے رد میں جو علوم ظاہر کیے جا رہے ہیں ان شاء اللہ العزیز طالبان صادق ان سے فائدہ پائیں گے۔

(٦٦۴) بہت اچھا" ینبغی " بمعنی"یستحب" ہے، اور مستحب وہ جس کے فعل پر ثواب ہے، اور ترک پر کچھ نہیں ،تو مطلب یہ ہوا کہ یہ جو اذان بے وضو دینے کا مکروہ نہ ہونا ہے، اس مکروہ نہ ہونے کو جس نے کیا ثواب پائے گا، ورنہ کچھ نہیں۔ اس ہذیان کے کیا معنی ہوئے ،شاید یہ سمجھے ہوں کہ مکروہ نہ ہونے کو کیا یعنی اس غیر مکروہ کو کیا، یعنی بے وضو اذان دی تو ثواب پائے گا، اور باوضو دی تو کچھ نہیں۔

(٦٦۵) ابھی مولوی صاحب کی تمیز کو بس نہیں کہ وہ تو غیر متناہی لاتقفی ہے، کبیری نے اجناس سے نقل کیا ،"بنی مسجداً في أرض غصب لابأس بالصلاة فیه"(۲)

اور واقعات سے "بنی مسجداً علی سور المدینة لاینبغي أن یصلی فیه لأنه حق العامة"(۳)

اور ان میں تطبیق دی کہ لاباس خلاف اولی بتاتا ہے، اور اسی پر " لاینبغی "کا حمل بھی ممکن۔ پھر اس پر دوسری عبارت واقعات سے استدراک کیا کہ "لکن قول

---

(۱) [رد المحتار علی الدر المختار: سنن الوضوء، ۱/ ۱۰۸]
(۲) [رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاة، ۱/ ۳۸۱]
(۳) [رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاة، ۱/ ۳۸۱]

صاحب الواقعات لو فعله باذن الإمام ينبغي أن يجوز هذا لأن مراده بلاينبغي عدم الجواز" کبیری نے تو مفہوم مخالف سے استدلال کیا کہ جواز بشرط اذن امام کہا تو بے اذن عدم جواز ہوا۔ مگر آپ اس کا یہ مطلب فرماتے ہیں: ص ۱۳۱ر "کبیری میں واقعات کی عبارت نقل فرما کر افادہ فرماتے ہیں کہ "ینبغی" بمعنی "یجوز" ہے، تو **لاينبغي لايجوز** ہوا"۔

مولوی صاحب "یہ ینبغی بمعنی یجوز ہے" کبیری یا واقعات کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ ہاں ہاں واقعات میں تھا جو "ينبغي أن يجوز" دونوں لفظ ایک جملہ میں آ گئے بس ایک دوسرے کی تفسیر ہو گیا، مولوی صاحب کچھ دنوں پڑھ لیا ہوتا۔

(٦٦٦) وہی حکم و بحث کی بے تمیزی۔ کلام واقعات میں "ينبغي ان يجوز" بحث ہے نہ حکم۔

(٦٦٧) ص ۴۷ و ۴۸ر پر حدیث امام ابن اسحٰق سے استدلال فاسد ہونے کی وجوہ میں فرماتے ہیں: "پندرہویں وجہ شذوذ بر تقدیر صحیح و حسن ہونے اس روایت کے" عقل کی پڑیا جب حدیث صحیح و حسن مان لی پھر اس میں وہ شذوذ کہ مفسد استدلال ہو کدھر سے آیا، جیسے کہا جائے: مولوی صاحب بر تقدیر انسان ہونے کے جماد ہیں۔

(٦٦٨) خیر سے اس پر شرح نخبہ کی عبارت بھی پڑھ دی کہ: "زيادة راويهما أي: الحسن والصحيح مقبولة مالم تقع منافية لرواية من هو أوثق"(١)

انھوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ حسن و صحیح کا راوی یعنی جیسا راوی ان میں شرط ہے کہ عدل ثقہ ضابط ہو وہ اگر اپنے سے ثقہ تر کے خلاف روایت کرے تو مقبول نہیں۔ آپ سمجھ لیے کہ خود حدیث حسن صحیح کو ایسا فرما رہے ہیں، مولوی صاحب کچھ دنوں مدرسہ منظر اسلام میں سبق لے لیا ہوتا۔

---

(١) [الشرح المختصر لنخبة الفكر زيادة الثقة والشاذ، ١/ ٢٥]

(٦٦٩) لفظ بین یدیه کے معنی کی بحث تھی، مخالفین اسے قرب خاص پر لیتے تھے جس سے اذان مسجد کے اندر منبر کے برابر آجائے، فتوائے مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ وہ تمہاری تنگی میں محصور نہیں، اس کے معنی میں بہت وسعت ہے، دیکھو فلاں فلاں آیات کریمہ نے کتنے کتنے وسیع فاصلوں پر اطلاق فرمایا کہ ﴿یعلم مابین أیدیهم و ماخلفهم﴾[سورة البقرة؛ ٢٥٥]۔ اللہ عزوجل جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ علم الٰہی قریب پر محصور نہیں۔ آپ کی تمیز داری اسے قیاس سمجھی اور ص ۴۴ پر بولی: ''آٹھویں غلطی قیاس کرنا اذان موذن کو اوپر علم الٰہی کے۔ معنی یہ ہوئے کہ جیسے علم الٰہی شامل ہے سب اشیا کو، ایسے اذان دینا شامل ہے جمیع امکنہ کو جہاں اذان دے گا بین یدیه ہوگی''۔

(٦٧٠) کریمہ: ﴿مَا بَیۡنَ أَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ﴾ (۱) پر بولے ''وہ غلطیاں یہاں بھی ہیں۔

(٦٧١) کریمہ: ﴿یُرۡسِلِ الرِّیۡحَ بُشۡرًا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ﴾ (۲) پر بڑے ناز سے بولے:

''بڑی بھاری غلطی سو غلطیوں کے برابر ایک غلطی۔ اللہ جل شانہ کی رحمت کے ہاتھوں پر خطبہ پڑھنے والے کے ہاتھوں کو قیاس کرنا ﴿وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ﴾ آیا ہے، ایسے ہی یدی خطیب کو شامل جمیع امکنہ کو لینا''۔

(٦٧٢) کریمہ: ﴿اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ لَّکُمۡ بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ﴾ (۳) پر بولے: ''کیا بین یدی عذاب اور بین یدی الخطیب ایک چیز ہیں''

یہاں قیاس سے بھی گزر کر اتحاد تک پہنچے، ہر ادنی طالب علم جانتا ہے کہ بیان معنی

---

(۱) [سورة البقرة:٢٥٥]

(۲) [سورة النحل:٦٣]

(۳) [سورة سبا:٤٦]

لفظ کے لیے شاہد پیش کرنے کو ان ہذیانات سے کیا علاقہ۔

(۶۷۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سوالات نافع بن الازرق کے جوابوں میں معانی الفاظ کریمۂ آیات کے شاہد جو اشعار فصحائے عرب سے پیش کیے، اگر ان کی تفصیل کر کے مولوی صاحب کو بتایا جائے کہ آپ کی ہذیانی سمجھ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کس کس چیز کو کیسی کیسی پر قیاس کیا، تو مولوی صاحب پر بکثرت ضربات بڑھ جائیں گی مگر ہمیں حکم ہے کہ: (إذا قتلتم فاحسنوا القتلة و إذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة)(۱)

لہذا صرف ایک دکھائیں اور ان کی قسم گستاخی میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کے اس ادعا سے قیاس و تمثیل کے مزے لیں۔

نافع نے کریمہ: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (۲) کو پوچھا اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو، فرمایا وسیلہ حاجت کو کہتے ہیں۔ کہا کیا عرب اسے پہچانتے ہیں، یعنی یہ لفظ اس معنی پر بولتے ہیں، فرمایا: ہاں تو نے عنترہ کا شعر نہ سنا:

اِن الرجال لهم اِليك وسيلة

أن يأخذوك تكحلي و تخضبي(۳)

یعنی اے فلانی مردوں کو تیرے لینے کی حاجت ہے تو سرمہ لگا ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا۔

کیوں مولوی صاحب! آیت میں وسیلہ اللہ عزوجل کی طرف تھا، اور شعر میں اس عورت کی طرف جسے مرد لینا چاہتے ہیں، اپنا قیاس یہاں لے کر دوڑیئے تو، آپ کا ہذیان کیا مطلب بناتا ہے، خدا حیا دے پھر بھی میں تو آپ سے یہی کہوں گا کہ: ''إن الرجال لهم

---

(۱) [الدراية في تخريج أحاديث الهداية: كتاب الذبائح، ۲/۲۰۷]

(۲) [سورة المائدة:۳۵]

(۳) [العقد الفريد: قول الشعوبية وهم أهل التسوية، ۳/۳۵٤]

إلیک وسیلة الخ''

(۶۷۴ تا ۶۷۶) یہ بھی یاد رہے کہ یہ اپنے خصم پر تین افترا فرمائے۔ فتوائے مبارکہ میں تھا: ''جہاں تک حائل نہ ہو'' اور آپ ہر جگہ فرما رہے ہیں اذان جمیع امکنہ کو شامل مانی، کہیں ہو ہر جگہ بین یدیہ ہے۔

(۶۷۷) اور بڑھ کر تمیز داری سنیے! ص ۴۴/:

''نویں غلطی سامنے کی قید لگانا سند کے خلاف ہے، اس لیے کہ علم الٰہی دہنے بائیں کو بھی شامل ہے''

مولوی صاحب! علم الٰہی ہر طرف کو شامل ہے، تو اس سے بین یدی بھی ہر سمت کو شامل ہو گیا، ایسا تھا تو آیہ کریمہ میں ﴿بین أیدیهم﴾ کے بعد ﴿وما خلفهم﴾ معاذ اللہ لغو ہوا۔

گر ہمیں عقل و ہمیں ملائی ست   طعن بر قرآن کند از فکر پست

(۶۷۸) بفرض باطل یہاں تو سند ہی کے خلاف تھا، مولوی صاحب اپنی خبر لیجیے بین یدیه کے جو معنی آپ نے گڑھے وہ خود پیچھے کو شامل ہیں جیسا کہ گزرا، پھر آپ سامنے کی قید کس منہ سے لگائیں گے۔

(۶۷۹) ص ۴۸/ پر حدیث صحیح سنن ابی داؤد شریف کے موضوع بنانے کو شاہ عبد العزیز صاحب کے ''عجالہ نافعہ'' سے علامات وضع حدیث میں نقل کیا:

''ششم آں کہ در حدیث قصہ از امر حسی واقعی کہ اگر بالحقیقۃ می شد ہزاراں کس اورا نقل می کردند''

آپ کی تمیز نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ:

''ایک امر حسی میں ایک شخص کا نقل کرنا اور باوجودے کہ ہزاروں شخص اس موقعہ پر ہوں''

مولوی صاحب! آپ ایک سلیس فارسی عبارت تو سمجھ سکتے نہیں، اور مدارک علمیہ میں دخل دینا ضرور، کہاں تو توفر دواعی کا مسئلہ جسے شاہ صاحب بیان کر رہے ہیں کہ وہ

ایسی اہم بات ہو کہ اگر واقع ہوتی تو ہزاروں نقل کرتے، اور کہاں یہ کہ کیسی ہی بات ہو وہ ہزاروں کے موقع میں ہوئی، اس میں روایت آحاد موضوع ہے، **لاحول ولاقوة إلا بالله العلی العظم۔**

(۶۸۰) مولوی صاحب! آپ نے تو نہ صرف سنن ابی داؤد بلکہ بخاری و مسلم بھی صدہا موضوعات اور جھوٹی گڑھی ہوئی حدیثوں سے لبریز مان لیں، جمعہ وعیدین وغزوات وعمرۃ القضا وحجۃ الوداع وغیرہا تمام مجامع کی ہزارہا آحاد حدیثیں سب موضوع و افترا ہوگئیں۔ **إناللہ و إنا إلیه راجعون۔** ان تیس بے تمیزیوں پر (ساڑھے سات روپے انعام فی بے تمیزی چونی)

قسم (۱۸) مسئلہ دل سے گڑھ لیا اور فقہا پر افترا

(انعام ۱۰؍روپے)

(۶۸۱و۶۸۲) ص۲۳؍ میں **بین یدیه** کی توسیع پر یہ ریز کی کہ:

''مولانا کے معنی نے تو سارعالم کی نمازیں مکروہ وتباہ کردیں، کوئی نمازی نہیں نکل سکتا کہ اس کے سامنے تصویر نہ ہو، دنیا میں ہزارہا مکانوں میں تصویریں ہیں، وہ سب اس کے سامنے **بین یدیه** ہیں''

یہ اول تو خود اپنے خصم پر وہی افترا ہے کہ ہرجگہ اسی کے ارتکاب پر کلام کی بنا ہے، فتوائے مبارکہ میں تصریح تھی کہ: ''جہاں تک حائل نہ ہو'' پھر فقہا پر یہ سخت شدید جیتا افترا کہ ''تصویر کے مسئلہ میں رافع کراہت حائل کو نہیں گردانا'' مولوی صاحب کوئی ذی علم ہوتو اس سے کہا جاتا کہ محیط، خلاصہ، درایہ، شمنی، حلیہ، غنیۃ، بحر، نہر، تنویرالابصار، منح الغفار، درمختار، ردالمحتار، عجیمی علی الدرر، ابوالسعود علی الکنز وغیرہا دیکھیے کہ تصویر کپڑوں سے چھپی ہوتو کراہت نہیں، اگرچہ خود نمازی کے بدن یا لباس میں ہو۔

تنویرغزی وشرح علائی میں ہے: ''**لایکرہ (لو کانت تحت قدمیه أو فی**

یده) عبارة الشمنى بدنه ؛لأنها مستورة بثيابه"(۱)

اسی میں ہے:

"قال في البحر مفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس أو صرة أو ثوب آخر وأقره المصنف"(۲)

ردالمحتار میں ہے:

"في المعراج لاتكره إمامة من فى يده تصاوير؛ لأنها مستورة بثياب"(۳)

ابن امیر الحاج میں ہے:

"لاتكره إمامته ؛لأنها مستورة بالثياب كذا في المحيط والخلاصة" (٤)

حسن عجیمی نے اسے محیط سے نقل کرکے فرمایا: "**كذا في النهر**"

یوں ہی فتح المعین میں: "**في النهر عن المحيط**" لکھ کر ذکر کیا۔

کبیری میں ہے:

"فى الخلاصة إذا كانت في يده وهو يصلي فلابأس به ؛لأنه مستور بثيابه" (٥)

---

(۱) [الدر المختار وحاشيه بن عابدين- فرع لابأس بتكليم المصلي، ٦٤٨/١]

(۲) [الدر المختار: فرع لا بأس بتكليم المصلي، ٦٤٨/١]

(۳) [رد المحتار: فرع لابأس بتكليم المصلي، ٦٤٨/١]

(٤) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ٢٩/٢]

(٥) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ٢٩/٢]

ہاں مولوی صاحب سے شکایت عبث ہے، پھر بھی ثبوت دیں (دس روپے انعام)

قسم (۱۹)　محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر باسٹھ افترا
(انعام نامیسور)

(۶۸۳) حاشیہ ص ۱۴۱ر پر کہا: ''حضور پرنور نے فرمایا: أول من قاس'' مولوی صاحب جلد بولو یہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں فرمایا ہے؟۔

یہ افترا آپ کو اس نے سکھایا جس کا نام آپ نے اس کے آخر میں چھپایا، اور حدیث متواتر ''من کذب'' کا خوف نہ آیا۔

(۶۸۴) مسلمانو! مدینہ طیبہ سے بیت المقدس شمال کو ہے، اور کعبہ معظّمہ جنوب کو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد ہجرت ۱۷۔ ۱۸ر مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، پھر کعبہ معظّمہ کو منہ کرنے کا حکم آ گیا، خلاصۃ الوفا میں نقل کیا کہ جب تک نماز بیت المقدس کو ہوتی تھی مسجد اقدس کی جنوبی دیوار میں دروازہ تھا، جب اس طرف کو قبلہ ہو گیا وہ دروازہ بند کر کے اب شمالی دیوار میں دروازہ کھولا گیا۔ مولوی صاحب ص ۱۵ر پر کمال بے باکی سے یہ دعوی کر بیٹھے کہ:

''وہ جنوبی دروازہ بند نہ کیا گیا، صرف آمد و رفت اس سے موقوف ہوگئی، مسجد شریف میں خاص قبلہ کی دیوار میں خاص محراب کی جگہ وہ دروازہ آخر تک کھلا رہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی دروازہ پر بالائے منبر خطبہ فرمایا کرتے''

یہاں تک کہ بولے:

''یہ منبر کا رکھا جانا دروازہ پر حضور کے زمانے میں بعد تحویل قبلہ اور شیخین کے زمانے میں برابر جاری رہا''

مولوی صاحب! کوئی ثبوت بھی ہے یا محض اپنے زبانی ادعا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وشیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر افترا۔

"أهل عندكم آثارة من علم أم على رسول الله تفترون"

کیا کسی حدیث کسی اثر کسی روایت میں دکھا سکتے ہو کہ زمانۂ اقدس میں مسجد کریم کی خاص دیوار قبلہ میں خاص محراب کی جگہ کھلا ہوا غیر مسدود دروازہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دروازۂ مسجد پر کھڑے ہوکر خطبہ فرماتے تھے۔ مولوی صاحب افترا یہی نہیں کہ جس بات کا نہ ہونا معلوم ہے اس کا ہونا مانو، بلکہ یہ بھی افترا ہے کہ جس کے ہونے کا ثبوت نہ ہوا اپنی طرف سے اس کا دعوی کردو۔

قال الله تعالیٰ: ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۱)

وقال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَـقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (۲)

خصوصاً بات بھی ایسی خلاف قیاس کہ محراب مسجد میں خاص امام کے سامنے دروازہ۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

(۶۸۵) جب آمد ورفت کی بندش تھی تو دروازہ کس لیے باقی تھا، کیا اللہ ورسول عبث چیز کے روا

دار ہوتے ہیں، وہ بھی مسجد میں؟۔

(۶۸۶) تحویل قبلہ ہجرت شریفہ کے دوسرے سال ہوئی اور منبر اطہر آٹھویں سال بنا، تو آپ کا فرمانا کہ: "منبر کا رکھا جانا دروازہ پر بعد تحویل قبلہ برابر جاری رہا" یہ ڈبل افترا ہے۔

(۶۸۷) حدیث صحیح ابی داؤد شریف پر تو وہ لکھا تھا کہ:

---

(۱) [سورۃ البقرۃ: ۸۰] (۲) [سورۃ الاسراء: ۳۶]

''علامت کذب حدیث کی ایک یہ ہے کہ ایک امر حسی میں ایک شخص کا نقل کرنا باوجودے کہ ہزاروں شخص اس موقع پر ہوں''

اب یہ صریح کذب جو آپ بول رہے ہیں، یہ کیا لاکھوں نے نہ دیکھا، یہاں آپ کسی ایک کی بھی نقل نہیں دکھا سکتے کہ پیش روئے اقدس محراب کی جگہ غیر مسدود دروازہ برابر رہا اور صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی تھا، فقط آمد و رفت منع کرنے کو کوئی تختہ لکھ کر لگا دیا تھا، لا الہ الا اللہ ۔

(۶۸۸) مزہ یہ کہ جن عالم مدینہ سید سمہودی قدس سرہ کے کلام سے پیش از تحویل قبلہ جنوبی دروازہ نقل کیا اس میں موجود ہے کہ بعد تحویل قبلہ مسدود فرما دیا گیا:

"لما حرفت سد الباب الذي كان خلفه وفتح هذا الباب حذاءه أي: في محاذاة المسدود خلف المسجد أي: تجاهه كما قال المجد" (۱)

آپ کہتے ہیں: ''مراد مسدود سے آمد و رفت کا بند ہونا ہے''

مولوی صاحب! مردود، مغلق، مسدود، تینوں کا فرق کسی عربی داں سے پوچھیے، مگر عربی سے نہ پوچھنا کہ وہ خوش مزاج ہوا تو قہقہہ لگائے گا، اور بدمزاج تو......

(۶۸۹) یہ بھی دیکھا کہ سید علامہ نے اس مسدود کرنے پر تفریع کیا فرمائی، عبارت مذکور سے متصل فرمایا:

"فكان المسجد له ثلثة أبواب: باب خلفه، وباب عن يمين المصلى، وباب عن يسار المصلى"(۲)

---

(۱)[خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ: الأول في عمارته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:، ۲/۱۰]

(۲)[خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ: الأول في عمارة صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:، ۲/۱۰]

یعنی تو مسجد کے تین دروازے ہوئے: ایک پائیں میں، ایک نمازی کے داہنے، ایک بائیں، یہ دروازہ بھی مسدود نہ ہوتا تو چار ہوتے، کیا آپ دکھا سکتے ہیں کہ کسی معتمد نے زمانہ اقدس میں مسجد شریف کے چار دروازے بتائے۔

(٦٩٠) اپنی جہالت پر سید کے اس لفظ سے دلیل لائے: "أي هو في جهة القبلة اليوم" اور اس کا مطلب یہ گڑھا کہ:

"یعنی وہ دروازہ جو پہلے مقابل قبلہ تھا، بعد تحویل قبلہ آج کے دن وہ دروازہ جہت قبلہ میں موجود ہے"

حالاں کہ کلام سید میں الیوم، جهة القبلة، کی طرف ناظر ہے، یعنی آج جس طرف قبلہ ہے قبل تحویل اس طرف دروازہ تھا۔ دلیل لانا تو مولوی صاحب سے قول ہار گیا ہے۔

(٦٩١) طرفہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ افترا کرنے کو یہیں کہا ہے کہ:

"قرینہ لفظی حدیث میں موجود ہے کہ "علی باب المسجد" بعد "إذاجلس" کے لائے، اگر تعلق "علی باب المسجد" کا "یؤذن" کے ساتھ ہوتا تو یوں کہتے: "یؤذن بین یدیه علی باب المسجد"

عبارت سید میں یہ قرینہ بھی یاد نہ رہا الیوم بعد جهة القبله کے لائے۔ اگر تعلق الیوم کا خبر محذوف سے ہوتا تو یوں کہتے "وهو الیوم في جهة القبلة"، مگر عبدالغفار خاں را حافظہ نباشد

(٦٩٢) انہیں سید کا خود اپنا خلاصہ فرمانا دیکھا ہوتا کہ: "جعل قبلته إلى بیت المقدس وجعل له ثلثة أبواب: باب في مؤخر إلى جهة القبلة الیوم"(١)

(١)[خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ: الأول في عمارته صلى الله تعالیٰ علیه وسلم:، ٢/١٠]

یہاں وہ آپ کا ''ھو'' کہاں ہے۔

(٦٩٣) ابن زبالہ نے ''بطریق ابن جریج عن جعفر بن عمرو'' روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد کریم دو بار بنائی، پہلے صد در صد سے کم تھی، جب دوبارہ بنائی ''زاد علیہ مثلہ في الدور'' چاروں طرف سے اسے بڑھایا۔ جب مسجد شریف میں جانب قبلہ بھی اور زمین بڑھائی گئی تو وہ پرانی دیوار بھی نہ رہی جس میں دروازہ تھا مگر محراب قبلہ میں دروازہ رکھنا مولوی صاحب کی مت میں ایسا ضرور تھا کہ ہٹا کر جو دیوار بنائی اس میں بھی دروازہ (ا) نکال دیا۔ اور کاہے کے لیے اس لیے کہ آمد و رفت نہ ہو، زہے ملّائی۔

(٦٩٤ تا٦٩٩) اب میں ذرا آپ کے اس قرینہ لفظی کی بے قرینہ لفاظی کی بھی خبر لوں۔ آنکھیں کھول کر دیکھیے علما نے علی باب المسجد کس سے متعلق فرمایا ہے۔

(ا) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے:

''کان إذا جلس علیہ الصلاۃ والسلام علی المنبر أذّن بلال علی باب المسجد، وکذا علی عھد أبي بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما'' (١)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازۂ مسجد پر اذان کہتے اور اسی طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔

ا۔ جب تو کہتے ہیں کہ زمانہ اقدس میں برابر جاری رہا اور زمانہ شیخین میں بھی رہا، شاید عثمان غنی کو اس لیے چھوڑ دیا کہ ان کی محراب قدیم سے کئی گز آگے اب تک موجود ہے، تو وہ دیوار قبلہ ان کے زمانہ میں نہ رہی جس میں دروازہ بتاتے ہیں، اور اس حدیث کی خبر نہیں جو بتا رہی ہے کہ زمانہ اقدس ہی میں وہ دیوار نہ رہی تھی۔ ١٢ منہ

(١) [تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی: ٥٤٢/١٠]

(۲) کشاف میں ہے:

"وقد كان لرسول الله ﷺ مؤذن واحد ، فكان إذا جلس على المنبر أذن على باب المسجد ، فإذا نزل أقام للصلاة ، ثم كان أبوبكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما على ذلك"(۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے، جب حضور منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ مؤذن دروازہ مسجد پر اذان دیتے۔ یہی روش صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تھی۔

(۳) بعینہ اسی طرح تفسیر علامہ نیشاپوری میں ہے۔

(۴) تفسیر خطیب شربینی ہے۔

(۵) پھر فتوحات الہیہ میں ہے:"كان له ﷺ مؤذن واحد إذا جلس على المنبر أذن على باب المسجد ، فإذا نزل أقام الصلاة ، ثم كان أبوبكر وعمر وعلي بالكوفة رضى الله تعالىٰ عنهم على ذلك"(۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے، جب حضور منبر پر جلوہ افروز ہوتے وہ موذن دروازۂ مسجد پر اذان کہتے پھر صدیق وعمر فاروق اور کوفے میں مولیٰ علی کے یہاں یہی طریقہ رہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

کشف الغمہ امام شعرانی قدس سرہ الربانی میں زمانۂ اقدس وزمانۂ شیخین کی نسبت فرماتے ہیں: "وكان الأذان على باب المسجد" ان پاک زمانوں میں اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

مولوی صاحب! اب تو آپ کو اپنے افترا کا حال کھلا

---

(۱) [تفسير الكشاف: ٤/ ٥٢٠]

(۲) [تفسير فتوحات الٰهيه: ٦/٨]

ع: آنکھیں تو ملاؤ دم کہاں ہے

(۷۰۰) بین یدیه کے وہ اپنے ساختہ معنی گڑھ کر ص ۴۱ر پر بولے کہ:

''ہر مسلمان جان سکتا ہے کہ جو معنی بین یدیه کے حضور پرنور نے لیے وہی صحیح ہیں''

ثبوت دو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں ارشاد فرمایا ہے کہ " بین یدیه" کے معنی یہ ہیں، یہ نہیں کہ بے حصر آپ کا فائدہ نہیں جیسا کہ بارہا خصوصاً قسم ۸ر میں ظاہر کر دیا گیا۔

(۷۰۱) ہاں ہاں آپ نری جہالت پر کیا اکتفا کریں، آپ نے صراحۃً ادعا کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بین یدیه کو اسی قرب تنگ میں محصور جانتے تھے ،جب تو اس کے معنی وسیع جو آیات قرآنیہ وتصریحات ائمہ لغت وتفسیر سے بیان کیے گئے، انہیں ص ۴۲ر پر صاف فرما دیا:

''یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے''

لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ جو معنی بین یدیہ کے قرآن عظیم نے لیے وہی صحیح ہیں ،اور جو اس کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وائمہ عظام وفقہائے کرام کی طرف نسبت کرے وہ مفتری وکذاب ہے۔

(۷۰۲ تا ۷۲۵) اور سنیے تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کریمہ ﴿إِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾(۱) اتری، اس وقت حضور نے بین یدیہ کے کیا معنی لیے؟۔

اسی طرح جب (۲) بقرہ (۳) وطہ (۴) وانبیا (۵) وحج میں: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾(۲) اترا۔

---

(۱) [سورة سبا:٤٦] (۲) [سورة البقرة:٢٥٥]

اور(٦) مریم میں: ﴿لَهٗ مَا بَیۡنَ أَیۡدِیۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا﴾(١)

اور(٧) بقرہ(٨) آل عمران (٩) ومائدہ (١٠) ملائکہ (١١) احقاف میں: ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ﴾(٢)

اور(١٢) انعام میں: ﴿مُّصَدِّقُ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ﴾(٣)

اور(١٣) یونس(١٤) ویوسف میں: ﴿تَصۡدِیۡقُ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ﴾(٤)

اور(١٥) سبا میں: ﴿وَلَا بِالَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ﴾(٥)

اور(١٦) حم السجدہ میں: ﴿لَا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ﴾(٦)

اور(١٧) آل عمران(١٨) اورصف میں: ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰةِ﴾(٧)

اور(١٩) احقاف میں: ﴿وَقَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡهِ﴾(٨)

اور(٢٠) اعراف۔اور(٢١) فرقان۔اور(٢٢) نمل میں:

﴿بُشۡرًا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ﴾(٩)

اور سبا شریف کی اور دو آیتیں نہ سننا کہ عقل ہبا ہو جائے گی۔

ایک(٢٣) ﴿مِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡ﴾(١٠)

(الی قوله تعالیٰ) ﴿یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَتَمَاثِیۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ﴾(١١)

---

(١) [سورة مريم:٦٤] (٢) [سورة الأحقاف:٣٠]

(٣) [سورة الأنعام:٩٢] (٤) [سورة يوسف:١١١]

(٥) [سورة سبا:] (٦) [سورة فصلت:٤٢]

(٧) [سورة الصف:٦] (٨) [سورة الأحقاف:٢١]

(٩) [سورة النمل:٦٣] (١٠) [سورة سبا:٢] (١١) [سورة سبا:١٣]

دوسری (۲۴) اس سے بھی بڑھ کر جس نے بین یدیہ کو پانسو برس کی راہ تک پھیلا دیا:

﴿ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَابَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ﴾ (۱)

آپ کے زعم میں ان چوبیس ۲۴/ آیتوں میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی قرب تنگ، وہی ڈیڑھ گز والے معنی لیے۔ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چوبیس ۲۴/ افترا ہوئے۔

(۷۲۶) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بعثت بين يدى الساعة" (۲)

اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بین یدی کے کیا معنی لیے؟۔ یہ احادیث کثیر و وافر ہیں، مگر چوبیس ۲۴/ آیتوں کے بعد کیا حاجت، اگر آیتیں ہی نافع نہ ہوئیں حدیثیں کیا کام دیں گی، ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَاللّٰهِ وَاٰيٰتِهِ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (۳)

ثبوت دو کہ حدیث "إذا جلس بين يديك خصمان" (۴)

جو آپ نے پیش کی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مراد لیا ہے کہ جب مدعی مدعا علیہ قاضی کے پاؤں سے ڈیڑھ گز فاصلہ پر ڈٹیں، اس وقت کے لیے یہ حکم فرمایا ہے: کہ ایک طرف کی سن کر فیصلہ نہ کرے، اور اگر ایک گز نو گرہ کے فاصلہ پر ہوں تو اس وقت کا حکم اس حدیث میں مذکور نہیں، آپ عقل مند بہت ہیں، ذرا ہمارا کلام سمجھ کر

---

(۱) [سورة سبا:۹]

(۲) [نصب الراية لأحاديث الهداية كتاب الجنايات باب ما يوجب القصاص: ٤/٣٤٧]

(۳) [سورة الجاثية:٦](٧٢٧)

(٤) [نصب الراية لأحاديث الهداية ، كتاب أدب القاضي: ٤/٦١]

بولنا، دو افترا یہ ہوئے۔

(۷۲۸ تا ۷۵۷) ص ۳۴/ ''اذان ثانی جمعہ مسجد میں قریب خطیب کے زمانۂ آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے''

یہ افترا تو گھٹی میں پڑا ہے، اس کی تکرار روز اول سے ہے، اسی آثار المبتدعین میں بھی ۳۰/ جگہ ہے: ایک یہ، اور ص ۳۵/ سہ جا، ۳۶/ چار جا، ۳۸/ سہ جا، ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۹۔ یہ ۱۸/ ہوئے مگر ۳۰/ کا پہلا گیارہ افترا ہے کہ گیارہ روایتیں گن کر کہا: ''ترجمہ ان گیارہ کا یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد میں قریب خطیب زمانہ حضور پرنور سے ہے''

اور ص ۳۷/ کے پہلے دو دو افترا ہیں کہ وہاں کہا: ''ترجمہ ان دو روایتوں کا اذان دی جائے مسجد میں قریب خطیب کے یہی جاری ہے تو ارث فعل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے''

پھر کہا: ''ان دونوں روایتوں میں تصریح کر دی کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذان دلوانا مسجد میں قریب جانتے ہیں۔

(۷۵۸) ص ۳۹/ پر اپنے اس مجموعہ افتراءات واکاذیب کو فرماتے ہیں:

''بمرضی حضور پرنور علیہ الصلوۃ والسلام یہ کام کیا گیا''

حاش للہ کہ اللہ و رسول۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ دین میں ایسے فریبوں، دروغوں، افتراؤں، بہتانوں، ہٹ دھرمیوں، بے شرمیوں پر راضی ہوں، یہ صراحۃً رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترا ہے۔ مولوی صاحب ایسے بھرے کہ نماز پڑھتے پڑھتے جھومنے لگے، وعظ کہتے کہتے گھومنے لگے کہ ابھی حضور تشریف لائے تھے، تم نے نہیں دیکھی ابھی سواری آئی تھی۔

نرے بے عقل مان لیتے ہوں گے مگر جن کو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معرفت عطا فرمائی ہے ان کے سامنے موجب مضحکہ وارسال لاحول ہوتے ہیں۔

(۷۵۹) اسی بڑی بولی افترائی قول پر بنا کر کے یہیں بولتے ہیں:

''مولانا اس فقیر سے آپ کا تنہا مقابلہ نہیں بلکہ آپ کا مقابلہ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ہے، ذرا سمجھ کے کام کرنا''

مولوی صاحب! کیا جو حضور رس ہوتے ہیں اتنے بد عقل کودن؟۔ یا ایسے بد مذہب بدظن ہوتے ہیں کہ فقہی ،فرعی، ظنی مسئلہ میں اللہ ورسول ۔جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ سے مقابلہ کا حکم لگادیں۔ بفرض باطل اگر آپ ہی حق پر ہوتے تو آپ تو ترک قرأت مقتدی میں بھی حق پر ہیں، کیا امام شافعی وغیرہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ کے گمان میں اللہ ورسول سے مقابلہ ہے۔جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۷۶۰) خود یہی مسئلہ لیجیے: فرض کردم کہ مذہب حنفی میں اذان بیرون مسجد نہ ہو، آخر سیدنا امام مالک وجمہور ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں متصل منبر ہونا درکنار سرے سے اس اذان کے روبروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت ومکروہ وممنوع بتاتے ہیں۔ان کا تو اللہ ورسول سے مقابلہ کیسا آپ کے دھرم میں مقاتلہ ہوگا۔جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

انہیں خرافات پر یہ غرے ہیں کہ..

''مولانا یاد رکھنا قسم ہے عیش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، قلم اٹھانا بھول جاؤ گے''

آپ ذرا ہم طلبہ ہی سے آنکھ ملائیے، ایسا قلم اٹھانا ہم بھول گئے کہ ہزار در ہزار قاہروار آپ پر سوار ہوتے چلے جاتے ہیں، اور آپ ایک کا جواب نہیں دے سکتے،

حلفت فَجارِ لتُنسینّی حبّها　　　حنثت بِیمینكِ یافَجارِ فكفّرِی

قسم (۲۰) اللہ عزوجل پر سات افترا اور قرآن عظیم کے معنی طرح طرح معاذ اللہ مہمل کر دینا (انعام نامقدار)

(۷۶۱) ابھی گزرا، اللہ جل شانہ سے مقابلہ ہے۔

(۷۶۲ تا ۷۶۴) اعراف وفرقان ونمل کی تینوں آیتیں: ﴿يُرْسِلِ الرِّيَحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهِ﴾(۱) اور ﴿يرسل الريح﴾ اور ﴿ومن يرسل﴾ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ ان میں رحمت سے مراد مینھ ہے۔آپ کی قیاس سمجھنے والے بے تمیزی کہ نمبر ۷۶۰ رمیں گزری (۲) اسے صفت الٰہی سمجھی اور جھٹ اس پر آیہ ﴿وَرَحْمَتِي وُسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (۳) پڑھ دی۔

کیوں مولوی صاحب! ہوائیں مینھ کے آگے چلتی ہیں یا صفت الٰہی کے آگے ؟۔ہوائیں مقدم ہوتی ہیں اور صفت الٰہی مؤخر؟۔آدمیان گم شدند۔

(۷۶۵) جب آپ کے دھرم میں صفت رحمت ہواؤں سے پیچھے ہے تو صفت رحمت جمیع امکنہ کو کیسے شامل ہوئی، پیچھے کی چیز آگے نہیں ہوتی۔

(۷۶۶ تا ۷۶۸) ان تینوں آیتوں کا مطلب تعمیم زمانہ (۴) ٹھہرایا، یعنی ہواؤں کو کہا جائے گا کہ...

---

(۱) [سورة النمل:٦٣]

(۲) ظاہر ہے کہ تینوں آیتوں میں وہ الفاظ کریمہ مشترک ہیں اور سب میں ان کا مطلب ایک ہے اگرچہ فتوائے مبارکہ میں صرف آیت اولیٰ تلاوت کی۔۱۲منہ

(۳) [سورة الأعراف:١٥٦]

(۴) کریمہ ﴿يعلم مابين أيديهم وماخلفهم﴾[سورة البقرة:٢٥٥] پر اعتراض میں گیارہ جہالتیں ظاہر کیں جن کا مفصل رد "سیف القہار" سے لیجیے اور بعض اس رسالہ میں بھی مذکور، ان میں ایک غلطی یہ تھی کہ "تعمیم زمانہ سے تعمیم مکان لازم نہیں" اس اعتراض کا حاصل شاید یہ لیا ہوگا کہ علم الٰہی سب زمانوں کو شامل ہے، اس سے لازم نہیں کہ سب مکانوں کو بھی شامل ہو کہ اس اعتراض کا دو اعتراض سابق سے کہ "دعوی ظرف مکان اور سند ظرف زمان، امکنہ کو ازمنہ پر قیاس" جدا ہونا یونہی ہوگا ، خیر وہاں بول کر ان آیات رحمت پر اعتراض میں کہا: "وہ گیارہ غلطیاں ساتھ ہیں، یعنی ان آیتوں میں بھی زمانہ کی تعمیم ہے نہ مکان کی۔۱۲منہ

پانی کی خوش خبری دیتی چلیں اگر چہ ان کے بعد تمام دنیا خشکی سے ہلاک ہو جائے ،اور دس کروڑ برس بعد پانی برسے بشارت ہوگئی کہ آیتوں میں زمانہ عام ہے، یہ صراحۃً معنی قرآن عظیم کی تبدیل ہے۔

(۷۶۹) یہ تو جو کچھ ہے مگر عذاب شدید کی آیت نے مولوی صاحب کو بہت دست پاچہ کیا۔ اللہ عزوجل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کریمہ بین یدی قیامت بتاتا ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ حالاں کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے آئے اور ہنوز وقت باقی ہے، تو بین یدی تمہاری تنگیوں میں کیوں کر گھرا۔

مولوی صاحب اس کے جواب میں سراسیمہ ہوکر آیت کریمہ کے ساتھ کیا کیا بازیاں کرتے ہیں، ص ۴۵ / پر پہلے فرمایا:

''اگر بین یدی یہاں زائد ہوتو کیا سند ہوئی'' إنا لله و إنا إليه راجعون،

مولوی صاحب! بین یدی اڑا کر معنی کیا ہوئے اور ترکیب کیا۔ اس سے تو یوں کہا ہوتا کہ بین یدی میں سے یَن یَدَی زائد ہے تا کہ ب رہ جائے کہ نذیر سے متعلق ہو۔

(۷۷۰) اور سنیے تو! فقہا کے قول: "أذن ثانیاً بین یدیه" میں اگر بین یدی زائد ہوتو کیا سند ہوئی۔

(۷۷۱) پھر فرمایا: "بین یدی عذاب شدید" مجموعہ سے قیامت مراد ہوتو آپ کو کیا نافع'' جی بین تو ظرف ہے قائم مقام قیامت نہ ہوگا۔ یہ کہیے کہ ماھو موصول ومبتدا دونوں مقدر ہیں، اور مجموعہ سے مراد قیامت، پھر اس پر بھی معنی کیا ہوئے اور ترکیب کیا۔

مسلمانو یہ کھیل کھیلے جاتے ہیں آیات سے جب ان کا جواب نہیں بنتا۔

(۷۷۲) اور سنیے تو! فقہا کے قول مذکور میں بین یدیہ مجموع سے خطیب (۱) یا منبر مراد ہوتو آپ کو کیا نافع ،منبر و خطیب کا باہم بین یدی ہونا مفہوم ہوا نہ کہ اذان کا۔

رہی ترکیب وہ وہاں بھی غلط تھی یہاں بھی سہی، کچھ سمجھے۔

(۳۷۷تا۷۷۷) ص ۵۲/ میں آیۂ کریمہ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَاللّٰهِ أنْ يَّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ﴾ کو کہا:

''یہ نص قطعی ہے اس بارے میں کہ اذان بھی اللہ جل شانہ کا ذکر ہے مساجد میں''

مولوی صاحب! آیت تو یہ فرماتی ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام الٰہی لیے جانے سے، جس کا ترجمہ آپ نے اپنی لیاقت سے یہ کیا ہے کہ:

''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے کہ اللہ کی مساجد میں اللہ جل شانہ کے نام لینے کو منع کرے''۔

اولاً: یہ ''کون ہوسکتا ہے'' کاہے کا ترجمہ ہے۔

ثانیاً: مساجد کو ذکر سے روک دینے اور مساجد میں ذکر کو منع کرنے میں آپ کو فرق نہیں۔

ثالثاً: امام عینی بنایہ میں تصریح فرماتے ہیں: کہ اذان ذکر خالص نہیں اور اس کے لیے بحر الرائق بلکہ وہ صلاۃ مسعودی بھی دیکھیے جس پر آپ نے افترائی عبارت گڑھی۔

رابعاً: آپ خود مان چکے ہیں کہ اذان اعلام غائبین ہے، اور اعلام غائبین بے آواز بلند ناممکن تو مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں، بلکہ رفع صوت بذکر سے منع ہے۔اور اس کی ممانعت درمختار و مسلک متقسط و بزازیہ وغیرہ میں مصرح، کیا یہ سب اکابر بھی آپ کے نزدیک اسی وعید شدید میں داخل ہیں کہ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے۔

---

(۱) یعنی ''بین یدی الخطیب'' کہا تو منبر مراد ہو۔ اور ''بین یدی المنبر'' کہا تو خطیب۔ ظاہر ہے، کہ منبر کے دونوں بازوؤں کے بیچ میں خطیب ہے، اور خطیب کے قدم سے ڈیڑھ گز تک بین یدی آپ لیتے تھے، یہ تو خاص متصل قدم ہے۔۱۲

خامساً: سب جانے دیجیے وہ آیت پر اپنی افترائی جھلک لیجیے کہ

''آیت اس بارے میں کہ اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہے، نص قطعی ہے''

قطعی ہونا بالائے طاق آپ کے کون سے حرف کو اس پر دلالت ہے کہ اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہے؟۔ آپ نے اس میں اپنی گلی رکھ لی ہے، مگر عوام جو اس سے سمجھیں گے کہ آہا مولوی صاحب نے آیت دکھادی جس میں صاف ارشاد ہے کہ اذان مسجد میں ہو۔ ان کی اس افترائی سمجھ کا وبال کس پر ہوگا؟۔ فافهم

تنبیہ: ہم نے گزارش کی تھی کہ انعام بلحاظ اہمیت مقرر کریں گے، یہ دونوں قسم افترا علی الرسول وافترا علی اللہ۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس درجہ سخت ہیں کہ نہ ان کا وبال شدید محدود ومحصور، نہ ان کے رفع کا انعام ہمیں مقدور۔ مولوی صاحب کو اپنی دیانت اپنی دینداری بنی رکھنی ہے تو ان قسموں کو اٹھائیں۔ یا اپنی قبر اپنا حشر سنبھالنا ہے تو توبہ فرمائیں۔ وباللہ التوفیق۔

قسم (۲۱) خود اپنے اوپر چوالیس افترا۔ بکف چراغی کی انتہا

(انعام ۱۱/روپے)

(۸۷۷تا۸۲۱) مسلمانو! اس کمال حیاداری کو دیکھنا کہ آخر آثار المبتدعین میں فرماتے ہیں:

''اس تحریر میں ہم نے رد ان اعتراضوں کا بھی کر دیا ہے جن کا نام مولانا نے سوالات قاہر رکھا وہ چوّن ہیں''

مسلمانو! یہ ''اذان من اللہ'' بھی موجود ہے اور یہ طومار دروغ ''آثار المبتدعین'' بھی۔ اذان من اللہ نے سلسلہ سوالات دس سوال سائل سے رکھا اور پانچ سوال عالمانہ حضرت مفتی علامہ کے۔ پھر مولوی صاحب پر اپنی طرف سے رد قاہر کے انتالیس ۳۹/ سوال۔

خدا لگتی کہنا آثار المبتدعین میں کہیں ان قاہرات کی طرف رخ بھی کیا ہے، رد کردینے کی کیا ہستی ہے۔ رہے پہلے ۱۵ر، تو ص ۵۸ر پر دس سوال سابق کی نسبت خود اقرار ہے کہ:

''ہم نے فقط چھ ۶ر سوالوں کا جواب دیا ہے''

اور مفتی علامہ کا پنجہ ان میں چار پر۔ ص ۵۹ر میں وہ مہمل ریز کی کہ جاہل سا جاہل نہ کرے گا جس کا بیان ''سیف القہار'' میں ہے۔ اور بعونہ تعالیٰ کچھ یہاں بھی آئے گا، اور پندرھواں صاف کھا گئے اس کا ذکر بھی منہ پر نہ لائے، تو ۱۵ر میں سے ۵ر یہ بچے، اور ۳۹ر وہ، جملہ چوالیس ۴۴ر جھوٹ اُگلے۔ مولوی صاحب! بولیے (گیارہ روپے انعام فی سوال چونی)۔

(۸۲۲) اور اس کی پردہ داری تو دیکھیے کتنی معقول ہے کہ:

''جواب ضمن تحقیقات مسئلہ میں دیا ہے نہ اس طرح پر کہ بچے دیتے ہیں کہ پہلے اعتراض کا جواب ہوا، دوسرے کا ہوا''

یہ اس لیے کہ مسلمان پوچھیں گے کہ حضرت ان قاہر اعتراضوں کے جواب کس کھو میں ہیں، تو پیش بندی کرلی کہ ہم کہیں بچوں کی طرح تو نہیں دیتے، بوڑھوں کی طرح دینے کو تم کیا سمجھے، ہم نے حرفوں کی ٹٹی میں چھپا کر اوپر سے سطروں کی باڑ چن دی ہے کہ کسی کو سوجھیں نہیں۔ اف رے مکر:

مکار ہو عیار ہو جو آج ہو تم ہو

بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۸۲۳) اور سنیے تو! یہ جو اکابر ائمہ نے سوالوں اعتراضوں کے جواب نمبر وار دیے ہیں۔ مصنفین کو جانے دیجیے، حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے معترض کے اعتراضات سن کر ایک اعتراض ذکر کیا اور جواب دیا، پھر دوسرا ذکر فرمایا: اور جواب دیا، پھر تیسرا اور جواب دیا۔ ''رواہ الامام البخاری''

یہ آپ کے نزدیک طفلانہ حرکت ہوگئی؟۔ خدا حیا دے، اور اس کا زیادہ تر آپ کی قسمِ گستاخی میں آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بات یہ ہے کہ سوال ہی وہ قاہر تھے، جن کا نام لیے کلیجے دہلے بلکہ آپ کی تحریروں سے جو آپ کا مبلغ علم کھلا وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہرگز ہرگز آپ سوالات سمجھے بھی نہ ہوں گے جواب کون دے، لہذا جان بچائی کہ جان بچانی فرض تھی، اور عوام کو یوں چال دکھائی کہ سوالوں کی آفت سر پر قرض تھی۔

مولوی صاحب، مولوی صاحب، ہاں ہاں عبد الغفار خاں صاحب! اب سوالوں کا ہولا نہ کھائیں، دھوکا ہوا کہ آپ کو ذی علم سمجھ کر آپ سے مخاطبہ کیا، اب حال کھل گیا، توبہ ہے کہ آپ سے کوئی علمی سوالوں کا نام بھی لے:

توبہ ہے کہ اب عشق بتوں کا نہ کریں گے　　وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

قسم (۲۲)　خود اپنے خصم پر تینتالیس ۴۳ / افترا

(انعام ۱۲ روپے)

اس قسم کے گیارہ افترا اوپر ذکر کیے گئے، باقی اور سنیے!

(۸۲۴) قسم ۲۰ / نمبر ۷۶۶ / میں سن چکے کہ آیہ ﴿بُشْـــرًا بَيْـــنَ يَـــدَيْ رَحْـمَتِهٖ﴾ (۱) پر بھی جناب نے وہی تعمیم زمان ومکان والی ریز کی جو آیہ کریمہ ﴿يَعْلَمُ مَـابَيْنَ أَيْدِيْهِمْ﴾ (۲) پر کی تھی، یعنی یہ آیت بھی ان کے خصم نے ثبوت تعمیم میں پیش کی، یہ جیتا افترا ہے۔

فتوائے مبارکہ میں ﴿يَـعْـلَـمُ مَـابَيْـنَ أَيْـدِيْـهِـمْ﴾ (۳) اور ﴿لَـهٗ مَـابَيْـنَ أَيْـدِيْنَا﴾ (۱) دو آیتیں اثبات عموم بیـن یدیه، اور ﴿بُشْـرًا بَيْـنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ (۲)

---

(۱) [سورة النمل: ٦٣] (۲) [سورة البقرة: ٢٥٥] (۳) [سورة البقرة: ٢٥٥]

اور ﴿بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ﴾(۳) دو آیتیں خصوص معنی قرب کے لیے تلاوت فرمائی تھیں۔ ارشاد ہوا تھا:

''ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرائن حالیہ ایک نوع قرب ہر شی کے لائق مستفاد ہوتا ہے، نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو،

قال الله تعالیٰ:

﴿هُوَالَّذِيْ يُرْسِلِ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ﴾(٤) میں ''بین یدی'' نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا، مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی معاً پانی اترے، بلکہ چلیں اور بادل اٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے الخ مختصراً''

ہاں تعمیم زمانہ آپ نے لی کہ اسی نمبر میں مذکور ہوئی ''رمتني بدائها و انسلت''

(۸۲۵) مولوی صاحب نے اپنی آثار المبتدعین کے حاشیہ پر جابجا فتوائے مبارکہ کی عبارات نقل کی ہیں مگر اس تمام کو ہضم کر لیا کہ اپنا فریب نہ کھلے۔ خود کلام خصم میں قطع و برید۔

(۸۲۶) اسی ص ۴۵/ میں ﴿بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾(٥) پر بولے:

''یہ حدیث آپ کی نظر سے نہیں گزری: ((بعثت أنا والساعة كها تين))
مفسرین کا کلام دیکھا ہوتا تو یہ آیت سند میں نہ لاتے''

یہ اسی افترا علی خصمہ پر مبنی ہے کہ فتوائے مبارکہ میں یہ آیت بغرض تعمیم تھی جس پر آپ حدیث سناتے ہیں کہ دیکھو قرب کے لیے ہے، حالاں کہ فتوائے مبارکہ میں بعد عبارت مذکورہ ہے: ''**وقال تعالیٰ**: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٌ شَدِيْدَ﴾(٦)

---

(۱) [سورة مريم:٦٤] (۱) [النمل:٦٣]
(٣) [السباء:٤٦] (٤) [سورة النمل:٦٣]
(٥) [السباء:٤٦] (٦) [سورة سبا:٤٦]

آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے، اس کا قرب اس کے لائق ہے الخ''۔

(۸۲۷) یہ عبارت بھی اڑا گئے، یہ مولوی صاحب کی سترہویں قطع و برید ہوئی۔

(۸۲۸تا۸۵۷) آثار المبتدعین کے صفحات میں اپنے خصم پر تیس افترا اور ہیں جن میں اکثر کا صریح کذب قبیح، دروغ نرا بہتان شدید ہذیان ہونا۔ تقریرات گزشتہ سے آفتاب کی طرح ہر ذی انصاف مسلمان پر ظاہر اور بعض باقی کی تفضیح بعونہ تعالیٰ عنقریب آتی ہے۔ لہذا صرف ان کے شمار پر اکتفا کریں۔

(۱) ص۲: ''مولانا نے تمام سلف وخلف کی مخالفت کی۔

(۲) ص۱۹: ''جناب مولانا صاحب نے معنی بین یدیہ کے خود گھڑے نہ لغوی ہیں نہ اصطلاح فقہا۔

(۳) ص۳۹: ''مقابلہ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔

(۴) ایضاً: اپنی طرف سے معنی بنالیے۔

(۵) ایضاً: فتح القدیر کی عبارت بلا سمجھے غلط نقل کردی۔

(۶) ص۴۰: اذان خطبہ کا وہی حکم ہے جو اذان پنج وقتہ کا، اس میں مولانا نے بالکل اجتہاد کو دخل دیا ہے، دیانت فقیہ سے قطع نظر کرلی ہے۔

(۷) ایضاً ص۷۰: گڑھنا معنی بین یدیہ کا، یہ معنی نہ لغوی ہیں نہ عرف خاص نہ عرف عام۔

(۸) ص۴۲: ورثائے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ بدگمانی کہ ایک عالم کو ضلالت میں دیکھا اور آنکھیں بند کریں۔

(۹) ص۴۷: یہی گمان آپ کا علمائے ربانیین پر ہے، اپنے آپ کو متبع سنت بتانا اور ایک عالم کو جن میں سلف وخلف داخل ہیں جاہل پیر و بدعتی قرار دینا۔

(۱۰) ص ۵۴: قیاس محل اذان کو وضو کی نالی پر۔

(۱۱) ایضاً: اذان کو غسالہ پر۔

(۱۲) ایضاً: رینٹ تھوک پر۔

(۱۳) ایضاً: مستقذرات پر۔

(۱۴) ایضاً: نجس اشیا پر۔

(۱۵) ایضاً: اذان کو مثل ان اشیا کے سمجھنا۔

(۱۶) ایضاً: جرأت کہ اذان کو مسلمان پلید چیزوں کی طرح بتاوے۔

(۱۶) ص ۵۶: اپنے خیالات باطلہ کو مقابلہ میں روایات فقہیہ کے لانا۔

(۱۸) ایضاً: اپنی تاویلات فاسدہ کو ترجیح دینا روایت فقہیہ پر۔

(۱۹) ایضاً: اپنے زعم فاسد کو حق جاننا اور روایات فقہیہ کو باطل۔

(۲۰) ایضاً: باوجود متنبہ کرنے اہل علم کے متنبہ نہ ہونا۔

(۲۱) ایضاً: اصرار اور ہٹ دھرمی۔

(۲۲) ص ۵۷/ یہ سمجھ لینا کہ یہ معنی من گڑھت مستدعی ہیں خارج مسجد کو۔

(۲۳) ایضاً: بلاقرینہ مجاز اختیار کرنا۔

(۲۴) ص ۵۹/ ہم نے روایات سے بعبارات راجحہ جواب نکالا ہے، مولانا نے باشارات بعیدہ مرجوحہ۔

(۲۵) ایضاً: ہم نے صریح اختیار کیا مولانا نے محتمل بعید از قیاس۔

(۲۶) ایضاً: غیر مذہب والوں کی طرف رجوع کیا۔

(۲۷) ایضاً: لامذہبی اختیار کی۔

(۲۸) ایضاً: تمام سلف وخلف کا خلاف کیا۔

(۲۹) ایضاً: سبیل مؤمنین کے خلاف کیا۔

(۳۰) ایضاً: ایک بدعت کے موجد ہوئے۔

(۸۵۸تا۸۸۳) عرب کی مثل ہے: "رمتنی بدائها وانسلت" اپنا عیب مجھے لگا کر سٹک گئی۔ ہندی میں بھی اس معنی پر ایک مثل ہے، مولوی صاحب کی ناگواری کے خیال سے نہ لکھی، ورنہ وہ تو ہندی ہی مثل جانتے مانتے ہیں، جیسے ص۵۴/ پر اونٹ والی بولے۔ ص۵۳/ پر جاٹ والی لائے۔ مولوی صاحب کے ان مطاعن میں علاوہ اس کے کہ وہ سب کذب ودروغ، جھوٹ بہتان ہیں اکثر جگہ آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آیا ہے۔ اپنے عیب اپنے خصم کو لگا کر سٹک گئے ہیں، اور ایسا بہتان کمال شوخ چشمی اور ڈبل کبیرہ ہوتا ہے۔

رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَمَن يَكْسِبْ خَطِيْئَةً أَوْ إِثْماً ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيْئاً فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيْناً﴾ (۱)

جو آپ کوئی خطا یا گناہ کرے پھر کسی ناکردہ پر دھرے اس نے بے شک بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر اٹھایا۔

مولوی صاحب کے تیس مطاعن میں (۲، ۴، ۵، ۷، ۱۷تا۲۱/) یہ نو تو ان میں بداہۃً موجود ہیں کہ (۲، ۴، ۷) انہی نے بین یدیہ کے وہ ڈیڑھ گز والے دروازہ سے باہر قدم نہ رکھنے والے معنی گڑھے اور لغت وفقہ وحدیث وقرآن عظیم سب پر پانی پھیرا جس کی جلیل تشریحیں ہوچکیں۔

(۵) عبارت فتح القدیر جیسی دن دہاڑے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غلط بے سمجھے نقل کی اس پر ایک سیکڑے کے اشتہاری ہیں۔

(۱۷، ۱۸، ۱۹) حکم فقہ کہ مسجد میں اذان منع ہے، مکروہ ہے، اس پر کس کس طرح اپنے خیالات باطلہ کو ترجیح دی۔

(۲۰) صدہا تنبیہوں پر متنبہ نہ ہونا۔

---

(۱) [النساء: ۱۱۲]

(۲۱) اصرار ہٹ دھرمی کی کیا گنتی۔

(٦) یونہی روایات فقہیہ سے قطع نظر بھی عالم آشکار رہا،

اجتہاد اور (۲۷) لا مذہبی۔ اس کا بیان بعونہ تعالیٰ عنقریب ان کی قسم بد مذہبی وگمراہی میں آتا ہے۔

(۱۰ تا ۱٦) قیامت کے جوراگ گائے ان کا حال بعون ذی الجلال مولوی صاحب کی قسم گستاخی میں دیکھیے گا کہ انہوں نے کیسے کیسے ناپاک قیاسوں کے ظلم جوتے ہیں۔

(۲٦) غیر مذہب کی طرف رجوع کی حالت ''اذان من اللہ حصہ دوم'' نے کھول دی کہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی محض ایک اپنے خیال کے باعث تصریحات فقہ حنفی کو پیٹھ دے گئے اور اس آثار المبتدعین میں اس سے بھی بڑھ کر اس کے جلوے ہیں جن کا بیان بحولہ تعالیٰ ان کی قسم جہالات میں آتا ہے۔

(۲۴و۲۵) مفتی علامہ نے آخر فتوی میں اشارت وعبارت ومحتمل وصریح کا فرق ''عند وعلی'' ہی کے لیے پوچھا تھا، اور وقایہ وفیصلہ حق نما وسلامۃ اللہ لاہل السنہ نے کتنا کتنا واضح کر دیا کہ وہ حکایت ہے نہ حکم، اور پھر بھی مورد گوناگوں احتمالات بخلاف اس حکم صریح بعبارۃ النص کے کہ مسجد میں اذان نہ ہو۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ پھر بھی اسی ''عند وعلی'' کا دامن پکڑا اور اپنا عیب اپنے خصم کے سر دھرا۔

(۳) پھر جو منصف ایمانی نگاہ سے ہمارا یہ رسالہ دیکھے گا جان لے گا کہ مولوی صاحب نے اللہ عزوجل پر افترا کیے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان اٹھائے، قرآن عظیم کی آیتوں سے کھیل کھیلے، اس میں ضرور انھوں نے اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑائی ٹھانی۔

(۱، ۱۸، ۲۹) جھوٹی عبارتیں دل سے گڑھ لیں، جھوٹے ترجمے جی سے تراش لیے، سچی عبارتیں غلط بتادیں، قطع وبرید کیں، تحریفیں فرمادیں۔ کیا یہ اور وہ کہ اللہ ورسول

وقرآن کے ساتھ کیا سلف وخلف کا طریقہ ہے؟۔ان میں ضرور انھوں نے تمام سلف وخلف کی مخالفت کی، سبیل مؤمنین کا خلاف کیا۔

(۳۰) بت کی طرف سجدہ حلال کرلیا۔اسے مولوی صاحب سمجھ لیں کہ وہ اس میں بدعت کے موجد ہوئے یا شرک ایجاد کیا؟۔ یہ تیس میں چھبیس ۲۶/ان کے اپنے کوتک خبیث "رمتنی بدائها وانسلت"

(۸۸۴و۸۸۵) ابھی جو" عندو علی" کی نسبت گزارش ہوا رسائل میں اس پر متعدد تنبیہوں کے بعد پھر عبارات وصرائح کے مقابل ان پر اصرار کیسا عناد ہے۔

(۸۸۶) سوال مفتی علامہ میں عبارت واشارت کا فرق بھی پوچھا تھا، اس سے گولی بچا گئے کہ اپنا بھانڈا نہ پھوٹے ، یہ کیسی عیاری ہے۔

(۸۸۷) پھر جواب نہ دینا اور ص ۵۹/ پر کہنا کہ"یہ گیارہویں سوال کا جواب ہے" کیسا کذب ہے۔غرض ع: اے تو مجموعۂ خوبی زکدامت گویم

تنبیہ: یوں تو انھوں نے اپنے خصم پر یہ ۴۳/افترا کیے۔

(پونے گیارہ روپے انعام فی افترا چونی)

مگر یہ یادرہے کہ یہاں انھوں نے ایک بات کو کتنی باتیں بنالیا ہے جس کا بیان قسم ۶/ میں گزرا، لہذا مکرر پر انعام مکرر نہ ہوگا۔ اور اس گستاخی کو تو دیکھیے کہ اپنے اوپر تو چوالیس افترا اور اپنے خصم پر تینتالیس۔ خصم کا حصہ اپنے سے ایک کم رکھا۔ خیر:

ع: آں چہ زدوست می رسد نیکوست

قسم (۲۳) حضرت شیخ مجدد الف ثانی پر مولوی صاحب کی چوٹ

(انعام ۳/روپے)

(۸۸۸) مکتوبات جلد دوم مکتوب ۵۴/میں ہے:"عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است وبظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال کہ دم از رفع بدعت وباحیائے سنت لب کشاید"

اس پر مولوی صاحب ص ۴۷ر میں یوں نکھرتے ہیں

''سبحان اللہ کیا سمجھ ہے، کیسا تجدد ہے، یہی گمان آپ کا علمائے ربانیین پر ہے، اپنے آپ کو عالم متبع سنت بنانا اور ایک عالم کو جن میں سلف وخلف داخل ہیں جاہل پیرو بدعت قرار دینا''۔

ع: ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

(۸۸۹) اپنے ناقص تعامل کو سلف سے جاننے کا بھی دھوکا حضرت مجدد نے وہیں اٹھا دیا، اس کے متصل فرماتے ہیں:

''علمائے ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند ومحو کنند ہائے سنت، بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ یجوز بلکہ باستحسان آن فتوی می دہند ومردم را بہ بدعت دلالت می نمایند ونمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست، تعاملے کہ معتبر ست ہماں ست کہ از صدر اول آمدہ است یا با جماع جمیع ومروج حاصل گشتہ''

اس پر مولوی صاحب ص ۴۲ر پر یوں بکھرتے ہیں:

''علما پر یہ بدگمانی کہ انھوں نے ایک عالم کو بدعت وضلالت میں مبتلا دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں، حضور نے ((كل بدعة ضلالة))(۱)

فرمایا: اور فرمایا میری امت ضلالت پر جمع نہیں ہوگی، جمع ہونا امت مرحومہ کا ضلالت پر لازم آگیا۔ جناب اس قول سے توبہ کرو، تکذیب مخبر صادق کی لازم آتی ہے، اس کا انجام برا ہے''۔

(۸۹۰) حضرت شیخ مجدد نے وہیں اس ادعائے اجتماع امت کی بھی قلعی کھول دی۔ فرمایا:

''شک نیست کہ علم بہ تعامل کافہ انام وعمل جمیع قری وبلدان از حیطۂ بشر خارج ست''

---

(۱) [سنن ابن ماجة : باب اتباع سنة الخلفاء، ۱/ ۱۵]

اس پر مولوی صاحب بگڑے کہ واہ آپ ایسے ہی کہتے ہیں، ہمارے علم کی آپ کو کیا خبر،

وہ دیکھیے ص ار کی تار برقی ''کہ تعامل اہل اسلام کا تمامی دیار و امصار میں ہے''

وہ دیکھیے دوسرا تفصیلی ٹیلیگرام ص ۱۴۱ر ''تمام عالم میں، عرب و عجم، ہند، افغانستان، خراسان، افریقہ، تمام دیار و امصار اہل اسلام میں ہے''

اور حالت یہ کہ خیر سے ہندوستان کی بھی خبر نہیں جس کا بیان ''نفی العار'' نے کر دیا جبھی تو حضرت شیخ مجدد نے ''رواج دہند ہائے بدعت ومحو کنند ہائے سنت'' خطاب دیا۔

قسم (۲۴) اپنے استاد و پیر حضرت مولانا محمد ارشاد حسین سے کٹی چھنی

(انعام ۴ر روپے)

(۸۹۱ تا ۸۹۴) مولوی صاحب تحریر دوم سوم اور اس چوتھی ''آثار المبتدعین'' سب میں ابن اسحاق کے ''رمی بالقدر'' ہونے پر کیا کیا بکھرے۔ ''رمی بالتشیع'' پر کیا کیا ماتم کیے۔ حالاں کہ یہ مرتبہ خامسہ ہے، اور اس مرتبہ کی حدیث مردود نہیں، ایسی صدہا حدیثیں صحیحین میں ہیں، یہ تو آپ کی دو جہالتیں ہوئیں۔

اور ان دونوں کے رد میں حضرت مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کا ''انتصار الحق ص ۱۰ر'' میں یہ ارشاد ہے:

''حدیث مرتبۂ خامسہ کی مطلقاً متروک نہیں ہے، کما فی التقریب: الخامسة من قصر عن الرابعة قليلاً وإليه الإشارة بصدوق سيء الحفظ وصدوق، أوله أوهام أويخطى أو تغيرباً خره، ويلحق بذلك من رمي بنوع من البدعة كالتشيع والقدر والنصب والارجاء والتجهم، انتهى

وقال في نخبة الفكر وشرحه: قيل: يقبل مالم يكن داعياً إلى البدعة وهذا أصح، وقال ابن الصلاح: هذا أعدل المذاهب وأولاها وهو قول الأكثر من العلما"

نیز ۲۵؍ پر فرمایا: ''یہ موجب ضعف کا نہیں (الی قولہ) مرتبۂ سادسہ تک کی ضعیف نہیں ہوتی تو مرتبۂ خامسہ کی کیوں کر ضعیف ہوگی''

کیوں مولوی صاحب! تم سچے یا تمہارے استاد و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؟۔

(۸۹۵) انتصار میں ص ۳۹۵؍ پر فرمایا: ''بلاشبہ بقول صاحب تقریب ان کو نسبت صرف تشیع کے کیا ہے لیکن نسبت تشیع سے حدیث ان کی ضعیف نہیں، اس لیے کہ تشیع سے جب روایت متروک ہوتی ہے کہ داعیہ ہو طرف بدعت کے یا مقویہ ہو اس کی''

یہاں تشیع ثابت ہونے پر بھی یہ حکم دیا۔

(۸۹۶) یہ بھی یاد رہے کہ مولانا ارشاد حسین صاحب نے ''رمی بالتشیع'' کا ترجمہ یہ فرمایا: ''ان کو نسبت طرف تشیع کے کیا ہے'' اب وہ آپ کو تحریر سوم میں اپنا جاہلانہ ترجمہ یاد ہو کہ ''چھوڑا گیا بوجہ شیعہ ہونے کے''۔

(۸۹۷و۸۹۸) تقریب میں امام ابن اسحاق کی نسبت ''رمی بالتشیع والقدر'' ہے اور اس قول اور ''شیعی قدری'' کہنے کا فرق اہل علم پر مخفی نہیں، نفی العار میں اس پر تنبیہ بھی کردی ہے، تو ص ۴۸؍ پر جو مولوی صاحب شیعی قدری فرمارہے ہیں دونوں جہالتیں ہیں۔

طرفہ یہ کہ وہیں عبارت تقریب نقل بھی کردی کہ "رمی بالتشیع والقدر"(۱)

تا کہ بکف چراغی نہ چھوٹے۔

(۸۹۹تا۹۰۱) تدلیس وعنعنہ ابن اسحٰق پر بھی دوم سوم اور اس چوتھی آثار المبتدعین میں بہت زمین کاٹی۔ یہ اول تو عناد ہے، کتنی بار اس کی خدمت گزاری ہو چکی اور کھول کر

---

(۱) [الطبقات الكبرىٰ لابن سعد مقدمة: ۷۵/۱]

دکھا دیا کہ ہمارے امام اعظم وامام ابو یوسف وامام محمد وجملہ ائمہ حنفیہ وجمہور ائمہ مالکیہ وحنبلیہ بلکہ دوسو برس تک صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب قبول مرسل ہے۔ عنعنہ مدلس میں تو صرف خوف واحتمال ارسال ہیں، جب ہمارے ائمہ کرام حقیقت مرسل کو قبول فرماتے ہیں خوف ارسال کیا مانع ہوسکتا ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو شروع شرح مشکوۃ میں اصطلاح محدثین میں ایک مقدمہ مذہب محدثین ہی پر تحریر فرمایا ہے، جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ جہالات مولوی صاحب میں آتا ہے اس میں بھی شیخ نے لفظ خوف کی تصریح فرمائی تھی کہ: ''عنعنہ از خوف تدلیس مقبول نیست'' آپ نے چالاکی سے لفظ خوف اڑا کر عبارت ص ۴۹ / پر یوں نقل فرمائی:

''شیخ عبدالحق محدث تحریر فرماتے ہیں: عنعنہ مدلس معتبر نیست''

تاکہ محدثین کے قبول نہ کرنے کی وجہ نہ کھلے کہ اس کے کھلتے ہی باجماع ائمہ حنفیہ اس کا مقبول ہونا ظاہر ہوجائے۔ بالجملہ عنعنہ کے سوا اس خوف ارسال کے کوئی وجہ نہیں، جب مولوی صاحب اس کے اندیشہ سے حدیث کو رد کرتے ہیں تو مرسل بدرجہ اولیٰ مردود ہوئی کہ اس میں یقیناً ارسال موجود ہے۔

اب مولانا ارشاد حسین صاحب کی سنیے! انتصار الحق ص ۲۶۲ /

''حدیث مرسل نزدیک امام ابی حنیفہ کے، اور قول مشہور میں نزدیک امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور باقی ائمہ اعلام بلکہ نزدیک سب تابعین کے اور جو ان کے بعد ہیں راس مائتین تک محتج بہا اور مقبول ہے''

پھر اس پر عبارات علما نقل کیں جن میں تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام احمد سب کے نزدیک وہ مقبول ہے بلکہ جمیع ائمہ تابعین اور دوسو برس تک کے جملہ علما کا اس پر اجماع منقول ہے۔ کیوں مولوی صاحب! آپ سچے یا آپ کے استاذ وپیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۹۰۲) وقایہ اہل السنہ میں کتنے ائمہ کی تصریح دکھائی تھی کہ جس حدیث پر امام ابو داؤد سکوت فرمائیں صحیح حسن ہے، اور اس حدیث اذان جمعہ علی باب المسجد کو انھوں نے روایت فرما کر سکوت کیا ہے، پھر آپ جیسوں کو اس میں ضعف راوی، یا تدلیس، یا شذوذ ونکارت کے شاخسانے نکالنے کا کیا منہ ہے، مگر آپ نے ایک نہ مانی آخر مولانا ارشاد حسین صاحب علیہ الرحمہ کو انتصار ص۳۲ / پر فرمانا پڑا کہ:

''ملا علی قاری فرماتے ہیں: قال السخاوي :يكفينا سكوت أبي داؤد عليه فهو حسن اه ملخصاً''(۱)

یعنی امام سخاوی نے فرمایا ہے: ابو داؤد کا اس پر سکوت فرمانا کافی ہے تو وہ حدیث حسن ہے۔

(۹۰۳) ائمہ نے عام حکم دیا: **''لايؤذن في المسجد''** کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے، آپ اور آپ کے موافقین نے اذان خطبہ کا اس سے استثنا کیا۔ مولانا ارشاد حسین صاحب نے فرمادیا: کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اور کلام ائمہ کے یہ معنی بنانا معاذ اللہ ان کو گمراہ ٹھہرانا ہے کہ مراد تو یہ تھی کہ بعض اذانیں مسجد میں منع نہیں اور حکم دے دیا بلا استثنا عام۔

انتصار ص۴۰۳ / پر ہے: ''عام میں استغراق افراد کا شرط ہے بر مذہب محققین حنفیہ بلکہ شافعیہ کے بھی۔

ص ۴۱۱ / العام بلاتخصيص يفيد إرادة الكل فتأخير المخصص تجهيل للمكلف ، فانه يعتقد العموم من غير أن يكون مراد الحاكم وهو إغواء اه باختصار''

---

(۱) [شرح مسند أبي حنيفة: ذكر اسناده عن القاسم، ۱/۵۸٤]

(۹۰۴) ائمہ نے مطلق فرمایا: ''یکره الأذان في المسجد'' مسجد میں اذان مکروہ ہے، آپ نے اسے اذان پنج گانہ سے مقید کیا۔ ہر چند آپ کو قاعدۂ اصول بتایا گیا آپ نے نہ سنا، آخر مولانا کو انتصار ص ۳۲۱ ر میں کہنا پڑا: ''حکم مطلق کو مقید کرنا بلا قرینۂ تقیید نزدیک اہل تحقیق کے کیسے مقبول ہو''۔

(۹۰۵) آپ نے اس اذان کے داخل مسجد ہونے پر اجماع کا دعوی کیا اور اس پر سند کیا صرف آپ کی زبان، اصلاً کسی سے نقل پیش کی کہ اس پر اجماع ہے؟۔(۱)

آخر مولانا نے ص ۳۴۵ ر پر فرمایا ہی کہ: ''کسی نے اہل ملت اسلام میں سے اس پر دعوی اجماع نہ کیا، نہ مؤلف نے کہیں سے یہ امر نقل کیا (الی قولہ) پس ایسا دعوئ اجماع اہل انصاف کیوں کر قبول کریں گے''

دیکھو کیسا صاف فرمادیا: کہ زبانی جمع خرچ سے نہ اجماع ثابت ہو، نہ اہل انصاف اسے قبول کریں۔

(۹۰۶) آپ نے جو چون ۵۴ ر سوالوں سے صرف دس کے جواب کا نام کیا وہ بھی سخت جہالتوں سفاہتوں ڈھٹائیوں سے اور اسے چون سوالوں کا ردو جواب ٹھہرایا۔ دیکھیے مولانا اس پر کس درجہ ناراض ہو کر فرماتے ہیں: ص ۳ ر

''جواب ہر بحث و دلیل کا بہ تفصیل حوالہ قلم فرمائیں، اور اگر بعض ناپسند ہوں تو اس کا جواب لکھیں اور باقی کو صراحۃً تسلیم کریں، اور یہ شایان اہل علم نہیں کہ چند مواقع بے ملاحظہ سابق ولاحق محل اعتراض ٹھہرائیں اور اس کا نام ردو جواب قرار دیں''۔

۱۔ اجماع کی کیا خاک نقل دکھاتے آج تک ایک کتاب سے مسجد میں ہونے کا ثبوت تک تو دے نہ سکے۔ ہاں ہاں دیا کیوں نہیں صلاۃ مسعودی سے اس پر پچاس روپے کے اشتہاری ہوئے۔ ۱۲

(۹۰۷) علمائے ناصحین کا داب ہے کہ احکام وابحاث واضح اس زبان میں لکھتے ہیں جس سے عوام منتفع ہوں، باقی تدقیق وعلمی تحقیق کہ صرف علما کے سمجھنے کی ہوتی ہے زبان عربی میں۔

فتوائے مبارکہ میں یہی طریقہ انیقہ تھا۔ تحقیق مسئلہ کر کے ازالہ اوہام بزبان عربی فرمایا، مولوی صاحب کو اردو ہی سمجھنے کے لالے پڑے تھے، عربی دیکھ کر بہت جھنجھلائے اور ص ۵۳ / پر بولے:

''پہلی غلطی مولانا کی عوام الناس کو دھوکے میں ڈالنا کہ یہ کوئی بڑی روایت کسی کتاب کی ہے قول مولانا کا: أقول وبه ينجلي مافي الجلابي الخ''

انتصار الحق میں اس کے نظائر جا بجا ہیں۔ صدر ص ۱۲۱ /۔ وسط ص ۱۹۴ /۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور آخر ص ۳۳ /۔ واوائل ص ۲۱۹ / میں ''اقول'' کہہ کر اپنی عبارت عبارات منقولہ سے ملا دی ہے۔ مولوی صاحب کہیں گے: یہ حضرت مولانا مرحوم کی غلطیاں ہیں، انھوں نے عوام کو دھوکے میں ڈالنے کو یہ حرکتیں کی ہیں، خصوصاً جہاں عبارات منقولہ میں اپنی عبارت ملائی ہے کہ عوام جانیں یہ سب منقول ہے، آپ کی سی سمجھ والا جو ''اقول'' کو نہ سمجھا ''انتہی'' کو کیا جانے گا، اور جانا بھی تو یہ کیوں کر کہ یہ ''انتہی'' مولانا کا قول ہے۔ یا منقول عنہ میں داخل ہے۔

(۹۰۸) مولانا ارشاد حسین صاحب کو کیسے خبر ہوگئی کہ آپ عبارات ائمہ میں تحریف کریں گے۔ ''لكراهة الأذان'' کا ''فصار كالأذان'' بنالیں گے، سچی واقعی عبارت کو جھٹلائیں گے، کلمہ کو اس کی جگہ سے بدلیں گے۔ ''ينبغي أن'' کو اوپر سے توڑ کر ''لا يؤذن'' پر لادھریں گے۔ وغیرہ وغیرہ کہ گزرا اور آتا ہے، غالباً اپنے نور باطن سے ادراک فرمایا ہوگا، جب تو ص ۳۳ / پر فرمایا:

''واقعی امور کو جھٹلانا اور نصوص ظواہر اور تصریحات اکابر میں تغیر کرنا شیوۂ عنود اور پیشۂ یہود ہے ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَـٰذَا

فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (۱)

اس مدعا پر گواہ ہے"۔

(۹۰۹) مولانا نے یہ بھی اپنے کشف سے جانا کہ آپ عبارات میں قطع وبرید کریں گے جب تو ص ۱۹؍ پر فرمایا:

"اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منکر دین کہے کہ نماز پڑھنا حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ﴾ (۲)

(تیرہ ۱۳؍ کٹی چھٹی پر سوا تین روپے انعام فی ۴؍)۔

(قسم ۲۵) بد مذہبی کا لٹکا

(انعام ۱۲)

مولوی صاحب نے نام کتاب سے اپنے خصم کے معاذ اللہ مبتدع ہونے کا اشعار کیا۔

ص ۴۳؍ پر بولے: "باہر مسجد کے کہلوانا اس اذان کا بدعت ہے اور یہی حق ہے" وماذا بعدالحق إلاالضلال"۔

ص ۵۹؍ "لامذہبی اختیار کی، سبیل مومنین کا خلاف کیا، ایک بدعت کے موجد ہوئے"

یہ تو مولوی صاحب کے زبانی ہذیان تھے جن کے رد آفتاب سے روشن تر ہو گئے۔ زبان اختیار میں ہے، یوں تو کفار ملت اسلام کو بدعت بتاتے تھے کہ

---

(۱) [سورۃ المائدۃ:۴۱]

(۲) [سورۃ النساء:۴۳]

﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾(۱)

مگر تجربہ ہوا ہے کہ:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکان برد

مولوی صاحب کی بد مذہبی کے لٹکے لا مذہبی کے لیکے اس آثار المبتدعین میں جھلک دے گئے۔

(۹۱۰ تا ۹۱۴) مولوی صاحب نے ص ۴۴ ر پر آیہ کریمہ: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾(۲) کے ایک مہمل بے معنی جواب کو اپنی بے حقیقت نمبر بازیوں سے تین بنا کر فرمایا:

''پہلی غلطی دعوی ظرف مکان اور سند ظرف زمان۔ دوسری غلطی امکنہ محدود متعین قار الذات زمانہ غیر محدود غیر متعین غیر قار الذات، ایک دوسرے پر قیاس چوتھی غلطی، تعمیم زمانہ سے تعمیم مکان لازم نہیں''۔

اولاً: کمال جہالت ہے، بین یدی زمان کے لیے مکان سے مستعار ہے۔ ''کمافی عنایة القاضی'' استعارہ کو قیاس جاننا مولوی صاحب ہی کی عقل ہے، مستعار لہ میں وہی آئے گا جو اصل میں ہے نہ کہ وہاں ڈیڑھ گز پر تھک رہے، اور یہاں کروروں برس تک ممتد ہو، اگر وہ قرب تنگ پر محصور تھا اس کے معنی میں وہ تنگی، داخل تھی تو اسی تنگ کوتاہی کو تو زمانے کے لیے استعارہ کیا ہے، نہ کہ اتنے وسیع کو، پھر یہ وسعت کدھر سے آئی۔

ثانیاً: مولوی صاحب مکان کو محدود مانتے ہیں اور زمانہ کو غیر محدود، عجب کہ وہ کہ محدود میں تھک رہا تھا غیر محدود کو احاطہ کرلے، عکس ہوتا تو ایک بات قرینے کی ہوتی کہ اس میں ایک محدود وسعت تھی محدود کو گھیر لیا نا محدود میں تھک رہا، مگر نہیں مولوی صاحب الٹی گنگا

---

(۱) [سورة صٓ:۷]

(۲) [سورة البقرة:۲۵۵]

بہار رہے ہیں کہ محدود کے آگے بھیڑ اور غیر متناہی پر شیر۔ مولوی صاحب شاکی نہ ہوں اگر اس میں کچھ کچھ طرز انہیں کی لی ہے۔

ثالثاً: طرفہ یہ کہ زمانہ غیر متعین، زمانہ آپ کے نزدیک معدوم ہے تو وہ کونسی ذات ہے جسے غیر قار وغیر محدود کہا، اور موجود ہے تو موجود کو تعین لازم۔ موجود وغیر متعین آپ کے یہاں بستا ہوگا۔

رابعاً: خیر یہ تو ان کی خوش فہمیاں ہیں کہ ان کے مزعوم زمانہ کی طرح نا محدود ہیں، یہاں گزارش طلب یہ ہے کہ مولوی صاحب نے اس کلام میں متکلمین اہل سنت کا مذہب چھوڑا اور فلاسفہ اہل ضلالت کا مذہب اختیار کیا، متکلمین کے نزدیک زمانہ ہو یا مکان دونوں حقیقت غیر متاصلہ امر اعتباری موہوم ہیں، تو جیسا مکان محدود ہے، یونہی زمانہ بھی کہ اعتباری انقطاع اعتبار سے منقطع ہوتا ہے، جیسا زمانہ غیر محدود ہے یونہی مکان بھی کہ اعتبار کے لیے کوئی حد محدود نہیں، آخر نہ دیکھا کہ متکلمین عالم کے باہر بھی مکان یعنی وہی بعد موہوم مانتے ہیں، وہاں کیا نجوخاں کا گھیر ہوگا، یا رامپور کی بانسی، کہ ایک حد پر جا کر روک دی۔

مواقف میں ہے: "المكان البعد المفروض والخلاء خارج العالم عندالمتكلمين بعد اه ملتقطاً" (۱)

خامساً: زمانی کا غیر محدود ہونا بمعنی لاتناہی کمی تو ناممکن ہے کہ اسے غیر قار الذات کہہ رہے ہیں، اس کے دو جز جمع نہیں ہوسکتے نہ کہ اجزئے غیر متناہیہ۔ ہاں لاتقفی ہو یعنی زمانہ ہمیشہ یونہی چلا جائے گا کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ انکار قیامت کی طرف جاتا ہے، کہ زمانہ موجود ماننے والوں کے نزدیک یا وہ عین واجب تعالیٰ ہے: سبحنه وتعالىٰ عما يقول الظّلمون علواً كبيرًا. یا فلک اعظم۔ یا اس کی حرکت۔ یا اس کی مقدار۔ اور یہی ان میں

---

(۱) [المواقف: المقصد التاسع، ۱/۵٦٥]

اشہر واظہر ہے۔ اول تو کفر و دہریت ہے، اور باقی تین کا فنا نہ ہونا انکار قیامت، بلکہ یوں کہیے کہ اسے جس دلیل سے جانب مستقبل میں غیر محدود کہا جاتا ہے کہ منتہی ہوتو زمانہ کے بعد زمانہ لازم آئے۔ یہ دلیل ذلیل اگر صحیح ہوتو بعینہ اسی دلیل (۱) سے جانب ماضی میں بھی غیر محدود ہوگا کہ حادث ہوتو زمانہ سے پہلے زمانہ لازم آئے۔ اب فلک اور اس کی حرکت سب قدیم ہوگئے۔ یا کم ازکم ذات وصفات الٰہی کے سوا مخلوقات میں سے ایک شی قدیم ٹھہری۔ اور یہ باجماع مسلمین کفر ہے" كما بينته في مقامع الحديد علىٰ خد المنطق الجديد"۔

مولوی صاحب! شکر کیجیے کہ لازم قول قول نہیں ہوتا۔

(۹۱۵) ائمۂ کرام تو حکم فرمائیں کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ اور آپ اس کے مقابل ص ۱۰ر پر اپنی اجتہاد دانی لے کر چلیں کہ: "درایۃً کوئی وجہ کراہت وممانعت کی قائم نہیں، نہ کوئی ممانعت جانب شرع سے منقول ہے"۔

اور کیا لامذہبوں غیر مقلدوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں، وہ بھی تو احکام فقہ کے مقابل یوں ہی کہا کرتے ہیں کہ نہ درایۃً اس کی کوئی وجہ، نہ شارع سے منقول۔ مقلد کی شان تو یہ ہے کہ "يجب اتباع المنقول وإن لم يظهر للعقول "منقول کی پیروی واجب ہے، اگرچہ عقل میں اس کی وجہ نہ آئے۔ "كما في ردالمحتار". (۲)

---

(۱) یہ سب خباثتیں اسے حقیقت متأصلہ ماننے سے پیدا ہوتی ہیں، لہذا اہل سنت نے "گربہ کشتن روز اول باید" پر عمل فرمایا اور ناجی ہوئے۔ مولوی صاحب ان مباحث کو کیا جانیں، آنکھیں بند کیے فلاسفہ کے پیچھے ہولیے : اذا كان الغراب دليل قوم سيهديهم طريق الهالكينا
نسأل الله السلامة. ۱۲ منه

(۲) [ردالمحتار على الدر المختار: فروع رهن الأب من مال طفله، ۶/۵۱۵]

(۹۱۶ تا ۹۲۲) ائمہ کرام نے کہ مسجد کے اندر اذان کی کراہت وممانعت کا حکم فرمایا، انھوں نے تو

اس کی کوئی علت ذکر نہ فرمائی، جیسے اور لاکھوں احکام فرماتے ہیں اور علت نہیں بتاتے۔ یہ بات کہ ہمسایوں کو آواز زیادہ پہنچے، علما نے بلند منارہ پر اذان کی علت بتائی تھی، آپ نے اپنے الٹے اجتہاد سے اس حکم ممانعت وکراہت کی اسے علت ٹھہرایا کہ:

''ص ۴۰؍ روایات مولانا سے اولویت اذان کی ایسے محل میں کہ اسمع للجیران ہو''

اور علت بھی باحصر جس پر یہ جزم کہ:

''ص ۱۰؍ اس قدر سے صرف اولویت نکلی۔ کراہت وممانعت کی کوئی وجہ نہیں''

اور اس پر یہ ظلم کہ:

''ص ۱۰؍ ایسے محل پر کہ اسمع للجیران ہو، خواہ مسجد میں ہو۔ یا منارہ پر ہو۔ یا فنا میں ہو۔ مستحب واولیٰ ہے''

چلیے وہ بیرون مسجد کی اولویت بھی اڑ گئی، اور پھر اسے فقہائے کرام کی مراد قرار دیا۔ ان جرأتوں بے باکیوں پر آپ سے گزارش کہ:

اولاً: مسئلہ کراہت وممانعت اذان فی المسجد کی یہ علت فقہائے کرام نے کہاں بتائی ہے، کیا یہ ان پر افترا نہیں؟۔

ثانیاً: علت حکم اپنی طرف سے تراشنا، اور اس میں حصر سمجھنا، اور اس پر جزم کرنا، مجتہد کا کام ہے یا مقلد کا؟۔ جو ناقص قاصر ابھی اونے پونے مقلدوں کے مرتبۂ علمی کو نہ پہنچا ہو، اس کی ایسی جرأت، دعویٔ اجتہاد اور لامذہبی کا فساد ہے یا نہیں؟۔

ثالثاً: علت حکم وہ ہوتی ہے کہ حکم ثابت کرے۔ یا وہ کہ نفی کرے؟۔ آپ نے علت کراہت وممانعت فقہا وہ نکالی جس نے کراہت وممانعت ہی اڑا دی۔ خود فرمایا: ''کوئی وجہ کراہت وممانعت کی نہیں'' یہ کیسا اجتہاد ہے؟۔

رابعاً: کھینچ تان کر حکم کراہت وممانعت کو نرے حکم استحباب سے بدلا، پھر اسے

بھی اڑا دیا۔ یہ کیسا تناقض وہذیانی اجتہاد ہے؟۔

خامساً وسادساً: آپ خود فرماتے ہیں: ''جب صحن مسجد میں کھڑے ہو کر اذان کہے بخوبی آواز محلّہ میں پہنچ جاتی ہے''۔ تو اگر علت وہ ہوتی جو آپ نے گڑھی حکم یہ ہوتا کہ بند جگہ اذان نہ چاہیے اگر چہ فنائے مسجد ہو، کھلی جگہ چاہیے اگر چہ صحن مسجد ہو، لیکن علما نے مسجد میں مطلق ممانعت فرمائی اور فنائے مسجد میں مطلق اجازت، تو حکم کے دونوں حصے آپ کی علت پر تیغ دودستی ہیں یا نہیں؟۔

کیوں مولوی صاحب! کیا ایسی ہی مورتوں کو زیب دیتا ہے کہ احکام شرع کی علت اپنے دل سے نکالیں اور حکم علما کو خلاف عقل ودرایت بتائیں۔ اللہ رے اجتہاد کی ارزانی، کیسوں کیسوں تک پہنچا ہے۔ آدمیان گم شدند

خود یہ کوتک اور جو اتباع حکم فقہا کریں ان پر وہ ہمک کہ: ''مولانا نے بالکل اجتہاد کو دخل دیا ہے روایات فقہیہ سے قطع نظر کرلی ہے'' ص۴۰/

''لا مذہبی اختیار کی'' ص۵۹/

اللہ شرم دے اگر چہ نہ دی، اور ظاہر یہی ہے کہ نہ دے کہ متعصّب معاند، خائن، حاسد کو راہ نہیں ملتی۔

سابعاً: علت حکم پر ''وقایہ اہل السنہ'' نے کافی کلام کیا تھا، ہمیشہ سب کچھ دیکھنا اور آنکھ بند کرلینا کیسا عناد ہے۔

(۹۲۳) سب مخالفین کو یہ مرض ہے کہ علمائے اہل حق نے حدیث دکھائی۔ یہ بڑا جرم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین کے یہاں کا طریقہ عمل بتایا، ازاں جملہ مولوی صاحب ص۵۲/ پر بولتے ہیں:

''ہم مقلدوں کو استدلال بالحدیث سے کیا غرض، یہ کام مجتہدین کا ہے''

مسلمان ملاحظہ کریں، فتوائے مطبوعہ بریلی میں سائل نے دو سوال اول میں زمانۂ اقدس وعہد خلافت کا واقعہ پوچھا کہ:

’’(۱) اذان ثانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر ہوتی تھی، یا باہر؟۔

(۲) خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی‘‘۔

واقعہ کا جواب حدیث سے ہوتا۔ یا مولوی عبدالغفار خاں کی طرح اپنی من گڑ ہت سے کہ حضور اور صدیق وفاروق ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر جمعہ کا خطبہ فرماتے۔ واقعہ کا ثبوت حدیث سے دینا بھی مجتہد ہی سے خاص ہے۔ زہے جہالت،

اس کے سوافتوائے مبارکہ تحفہ حنفیہ میں حدیث مذکور دو مقصدوں کے لیے پیش کی ہے کہ فرمایا: ’’اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی پیش ہوں اور ادعاے توارث کا بھی حال کھلے‘‘

ان میں دوسرا مقصد تو وہی بیان واقعہ ہے کہ جب زمانۂ رسالت وخلافت میں اس کے خلاف تھا تو توارث کیسا۔ اور یہاں مقصد معنی لفظ کا بیان ہے کہ دیکھو صحابی عربی نے دروازۂ مسجد کی اذان کو بین یدیہ فرمایا۔ کیا بیان معنی لفظ کے لیے حدیث پیش کرنا بھی خاص مجتہد کا کام ہے؟۔ زہے جہالت۔

(۹۲۴ تا ۹۴۳) یہ جو آپ نے آثار المبتدعین میں بیس حدیثیں پیش کر کے ٹھیٹ مقلد ہوکر مجتہدین کا کام کیا ہے، آپ بیس دفعہ لامذہب ہوئے۔

(۹۴۴) اپنے استاد و پیر حضرت مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کی ’’انتصار الحق‘‘ دیکھیے، استدلال بالاحادیث سے بھری پڑی ہے۔ آپ کے نزدیک وہ کوئی سو گنے غیر مقلد ہوئے۔

(۹۴۵ تا ۹۴۸) ملا جی! ذرا اپنی خبر لیجیے: آپ تو ص ۱۵/ پر حدیث ترمذی، اور ص ۱۶/ پر دو حدیث ترمذی و ابن ماجہ، خاص اثبات حکم کے لیے پیش کر چکے ہیں اور وہ بھی حکم فقہ کے رد کو، اور ص ۴۰/ پر اپنے استدلالات میں گنایا: ’’تین حدیثیں صحاح کی جن سے

جواز مطلقاً اذان کا مسجد میں ثابت ہے" یہ ضرور خاص مجتہدین کا کام ہے۔ کیا اسی منہ سے کہا تھا کہ "ہم مقلدوں کو استدلال بالحدیث سے کیا غرض یہ کام مجتہدین کا ہے" دیکھیے وہ تین صراحۃً آپ کی لامذہیان، اور اس پر یہ قول صریح تناقض اور اپنی چنائی ڈھانا ہے (اٹھائیس بدمذہبیوں پر پونے دوروپے انعام، فی بدمذہبی ا؍)

(قسم ۲۶) اللہ و رسول و شریعت و ائمہ کے ساتھ مولوی صاحب کی چوالیس گستاخیاں

(انعام کچھ نہیں)

مولوی صاحب کی اٹھارہ ۱۸؍گستاخیاں اقسام بالا میں ذکر کردی گئیں۔ دو صاحب درمختار سے کہ ان کو مخالف غرض شارع بتایا۔ مخالف عقل و نقل بتایا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و جملہ کتب حدیث سے کہ ان میں موضوعات بھری ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ جمیع ائمہ مجتہدین سے کہ ان کا اللہ و رسول سے مقابلہ ہے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جمہور ائمہ مالکیہ سے کہ ان کا اللہ و رسول سے مقاتلہ ہے۔ اللہ عزوجل کی صفت رحمت سے دو کہ اسے ہواؤں سے مؤخر رکھا۔ دو قرآن عظیم سے کہ اس کی آیت کو معاذ اللہ بازیچہ بنایا۔ دس یہ ہوئیں، اور آٹھ ۸؍حضرت شیخ مجدد سے کہ ان کے ارشاد کیے ہوئے مطالب پر کہا: "سبحان اللہ کیا سمجھ ہے۔ کیسا تجدد ہے۔ علمائے ربانی پر بدگمانی۔ اپنے آپ عالم متبع سنت بننا اور ان کو پیر و بدعت بنانا۔ این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔ اس قول سے توبہ کرو۔ تکذیب مخبر صادق کی لازم آتی ہے۔ اس کا انجام برا ہے۔" آگے چلیے۔

(۹۴۹) ص۹؍پر لکھا: "آں حضرت صلعم کے زمانہ میں"

غلامان مصطفیٰ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یوں لکھتے ہیں: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ صلعم بلعم بے ادبی، محرومی، بے برکتی ہے۔

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے: "یکرہ الرمز بالصلاۃ والترضی بالکتابۃ بل یکتب ذلك کله بکماله" یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔ یا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کی جگہ اس کا کچھ اختصار لکھنا (کوئی صلعم لکھتا ہے کوئی ؐ یا ؓ) یہ سب مکروہ ہے، بلکہ ان سب کو پورا کامل لکھے۔

مقدمہ منہاج امام ابوزکریا نووی میں ہے: "یکتب عند ذکر النبي۔ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔ بکمالها لا رمزاً الیهما ولا مقتصراً علی أحدهما (إلی قوله) ومن أغفل هذا حرم خیراً عظیماً وفوت فضلاً جسیماً"(۱)

جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک آئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پورا لکھے، نہ صلاۃ وسلام دونوں کی رمز نہ فقط ایک پر قناعت (جیسے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا علیہ السلام) اور جس نے اس سے غفلت کی وہ بڑی خیر سے محروم ہوا اور بڑا فضل اس کے ہاتھ سے گیا۔

فتح المغیث امام سخاوی میں ہے: "واستحب أهل العلم أن یکرر الکاتب الصلاۃ علی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کلما کتب ،قالوا :ولا ینبغي أن یرمز بالصلاۃ کما یفعله الکسالیٰ والجهلة وعوام الطلبة فیکتبون صورۃ "صلعم" بدلاً من صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔(۲)

اہل علم نے مستحب رکھا کہ کاتب جتنی بار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر اقدس لکھے ہر بار درود لکھے، اور فرمایا: درود کا اختصار لکھنا زیبا نہیں جیسے کاہل اور جاہل اور عامی طلبہ " صلی الله تعالیٰ علیه وسلم" کے بدلے "صلعم" لکھتے ہیں۔

---

(۱) [شرح النووي علی مسلم فصل: ۱/۳۹]

(۲) [فتح المغیث بشرح ألفیة الحدیث:۳/۴۷]

سفطی علی الجواہر الزکیہ میں امثلۂ تحت کے آخر میں "صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" کا "صلعم". "عليه السلام" کا "عم" ذکر کر کے کہا:

"ينبغي اجتناب الأخير تين وإن أكثرت منه الأعاجم فاحذر ذلك"

ان دو سے بچنا چاہیے، اگر چہ عجمی اکثر ایسا کرتے ہیں، اس سے بچ۔

بلکہ تاتارخانیہ سے منقول ہوا:

"من كتب عليه السلام بالهمزة والميم يكفر ؛لأنه تخفيف ، وتخفيف الانبياء كفر بلاشك"

جو علیہ السلام کی جگہ اس کا اختصار ہمزہ اور میم سے لکھے وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ ہلکا کرنا ہوا، اور انبیا کو ہلکا کرنا یقیناً کفر ہے۔ یہ اگر صحیح ہو تو آفت اشد ہے۔ والعياذ بالله رب العلمين۔

(۹۵۰) قرآن عظیم نے جو معنی بین یدیہ کے ارشاد فرمائے ان کی نسبت ص ۱۴۶ پر فرمایا:

"یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، شراح حدیث کے، فقہائے حنفیہ کے"

اور نہ جانا کہ قرآن عظیم کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفقہا و محدثین کی طرف نسبت کرنا ان کے ساتھ کیسی شدید گستاخی ہے۔

(۹۵۱) بفرض محال ایسا ہوتا تو وہ شراح وفقہا ہی مورد طعن واعتراض ہوتے جنھوں نے ارشادات قرآن عظیم کا خلاف کیا، مگر نہیں آپ کے دھرم میں مخالفت فقہا کی وجہ سے قرآن عظیم مورد اعتراض ہے، اور اعتراض بھی کیسا کہ بزعم باطل مخالفت فقہا۔

معنی ارشاد فرمودۂ قرآن عظیم کو ص ۱۴۱ پر کہا: "اوہام باطلہ اور شیطانی وسوسے"

إنالله وإنا إليه راجعون.

(۹۵۲) اذان جمعہ کہ قرآن عظیم میں مذکور، اور وہی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھی، اذان شرعی سے خارج کردی۔ ص ۵: ''اذان شرع میں نام اعلام غائبین کا ہے'' ص ۱۰/ ''اور اذان منبر واسطے اعلام حاضرین کے ہے''۔

(۹۵۳ تا ۹۵۵) یہ تغییر شرع معاذ اللہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر باندھی،

ص ۸: ''زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی اذان اول واسطے اعلام غائبین کے ہے اور اذان ثانی واسطے احیائے احکام کے کہ لوگ سکوت اختیار کریں''

جہالت یہ کہ احکام کو انصات حاضرین میں منحصر کردیا، اعلام غائبین کیا حکم نہیں ؟۔ عناد یہ کہ اذان من اللہ وغیرہ میں اس پر کس درجہ تنبیہ کردی تھی مگر ٹھہر گئی ہے کہ مشنوی۔

(۹۵۶) قرآن عظیم کی سنت کریمہ ہے کہ ایک ایک سوال یا کفار کا شیطانی اعتراض جدا جدا ذکر فرما کر جواب ارشاد فرماتا ہے:

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ﴾ (۱)

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ﴾ (۲)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾ (۳)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ ﴾ (۴)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ (۵)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴾ (۶)

---

(۱) [سورة البقرة: ١٨٩]   (۲) [البقرة: ٢١٥]

(۳) [البقرة: ٢١٧]   (٤) [البقرة: ٢١٩]

(٥) [البقرة: ٢١٩]   (٦) [البقرة: ٢٢٠]

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى﴾ (۱)

یعنی:

سوال: ہلال کیوں ہوتا ہے؟۔

جواب: حج اور معاملات کے وقت باندھنے کو۔

سوال: راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟۔

جواب: جو اچھا مال خرچ کرو تو ماں باپ اور فلاں فلاں کو دو۔

سوال: ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟۔

جواب: گناہ کبیرہ ہے۔

سوال: شراب اور قمار کیسے ہیں؟۔

جواب: ان میں گناہ کبیرہ ہے۔

سوال: کیا خیرات کریں؟۔

جواب: جو اپنے سے بچے۔

سوال: یتیموں سے کیسا برتاؤ ہو؟۔

جواب: ان کے کام بنانا بہت خوب ہے۔

سوال: حیض کا کیا حکم ہے؟۔

جواب: نجاست ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں: معاذ اللہ یہ طفلانہ حرکت ہے۔

ص ۶۰ ر ''اس طرح پر بچے دیتے ہیں۔ص ۵۹ ر بچوں کی طرح ہے کہ پہلے سوال کا جواب دوسرے کا''

جوابوں سے اپنے فرار کو کس ناپاک عذر سے چھپایا ہے، ولا حول ولا قوۃ

(۷) [البقرۃ: ۲۲۲]

إلا باللہ العلي العظیم۔

(۹۵۷) قسم ۱۷ر میں سن چکے کہ اگر ایک لفظ ایک محل پر آئے اور اس کے بیان معنی کو کوئی شاہد پیش کیا جائے جس میں وہ لفظ کسی اور تذکرہ میں آیا ہے تو مولوی صاحب کی عاقلانہ تمیز داری میں یہ شاہد لانا اس محل کو اس واقعہ پر قیاس کرنا اور دونوں میں باہم مساوات واتحاد ماننا ہوتا ہے۔

بہت اچھا اقرارِتو آزارِتو، اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اپنی ایک بھاری گستاخی تو وہیں قسم ۱۷ر میں دیکھ چکے کہ معاذ اللہ انھوں نے اللہ عزوجل کو ایک عورت پر قیاس کیا۔

آگے چلیے! آپ ''بین یدي الخطیب'' کے معنی گڑھنے کو ص ۲۰ر پر ''اذا جلس بین شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل أنزل أولم ینزل''(۱)

قول فقہا بنا کر لائے حالاں کہ یہ مضمون تو صحیح حدیث کا ارشاد ہے، یعنی جب مرد عورت کے چاروں گوشوں کے بیچ میں بیٹھے اور کوشش یعنی کافی جنبش کرے تو غسل واجب ہو گیا اگر چہ انزال نہ ہو۔

امام قاضی عیاض شرح صحیح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

''المراد شعب الفرج الأربع'' چاروں گوشوں سے فرج زن کے چاروں کنارے مراد ہیں۔

کیوں مولوی صاحب! اب اپنے قیاس ومساوات واتحاد لے کر چلیے، آپ نے خطیب کے ہاتھوں کو کس چیز پر قیاس کیا؟۔ اور مؤذن کے ان کے بیچ میں کھڑے ہونے کو کاہے کا، کس کے بیچ میں ہونا ٹھہرایا؟۔ وہاں بولے تھے: ''کیا بین یدی عذاب اور بین

---

(۱) [نصب الرایة لأحادیث الهدایة کتاب الطهارة: ۱/ ۸۲]

یدی خطیب ایک چیز ہیں'' اب اپنے اوپر کہیے کیا خطیب کے ہاتھ اور عورت کی فرج کے گوشے ایک چیز ہیں۔

(۹۵۸) وہاں بولے تھے: ''معنی یہ ہوئے کہ جیسے علم الٰہی شامل ہے سب اشیا کو ایسے اذان دینا شامل ہے جمیع امکنہ کو''

اب اپنے اوپر کہیے! معنی یہ ہوئے کہ جس طرح کیا شی کا ہے کے گوشوں میں داخل ہے؟۔ ایسے ہی مؤذن خطیب کے ہاتھوں میں داخل ہو جائے۔

(۹۵۹) اسی ص۲۰/ پر ہذلی کا شعر لائے:

فلاقته ببلقعة براح فصادف بين عينيه الجبوبا(۱)

جس میں وہ شکاری پرندہ عقاب کا وصف بیان کرتا ہے، کہ اس نے شکار کو ایک ویرانے کف دست میدان میں جالیا تو اس شکار کا ماتھا سخت زمین سے جالگا۔

یہاں مولوی صاحب نے خطیب کے سینہ کو اس اجل گرفتہ شکار کے ماتھے کی مانند مانا جو اوندھے منہ گرنے میں کری زمین سے ٹکرایا ہو، اور مسجد کو وہ کھنڈر بنایا جہاں شکار پر یہ بلا اتری۔

(۹۶۰) اور معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اس کا ماتھا زمین سے ٹکرایا یونہی خطیب کی چھاتی مؤذن سے ٹکرانی چاہیے۔

(۹۶۱ تا ۹۷۰) فقہی روایتیں جو آخر ص۲۱ سے ص۲۵/ تک لائے ان میں مؤذنوں کو (جن کی تعریف میں قرآن عظیم فرماتا ہے ﴿وَمَنۡ أَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَا اِلَى اللّٰهِ﴾ (۲)

اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔ اور ان کے فضائل سے

---

(۱) [المعاني الكبيرفي أبيات المعاني الأبيات في العقاب: ۱/۲۸۱]

(۲) [سورة فصلت:۳۳]

حدیثیں مالا مال ہیں) پہلی دوسری تیسری روایت سند میں لاکر آگ بھٹی اور تنور بتایا۔ اور ۷، ۸، ۹، ۱۰ /رسے سانپ بچھو بنایا۔ اور ۱۹، ۲۰ /رسے عورت ٹھہرایا۔ ۱۸/رسے ان نافرمانوں کی مانند جو نمازی کے سامنے گزریں جن کو حدیث میں شیطان فرمایا۔

(۹۷۱) جی ہاں معنی بھی تو کہیے، یعنی جس طرح نمازی کے آگے سانپ بچھو گزرے تو اسے اجازت ہے کہ لکڑی سے اس کا سر کچل دے، یونہی جب خطیب منبر پر بیٹھے اور مؤذن آکر کھڑا ہو تو خطیب کو اجازت (ا) ہے کہ لاٹھی سے اس کا سر کچلے۔

(۹۷۲) نہیں نہیں بلکہ جس طرح وہ لوگ نمازی کے سامنے گزرنے سے گنہ گار ہوئے، اور اصرار کریں تو شیطان، یونہی مؤذن جو خطیب کے سامنے اذان دینے کھڑا ہوتا ہے گناہ کرتا ہے، خطیب کو چاہیے اسے منع کرے، نمازی اس سے قتال کرے کہ وہ شیطان ہے۔ مولوی صاحب کا فتوی ہے۔

(۹۷۳ تا ۹۷۸) ص ۳ سے ۲۶/ر تک حدیثیں لائے، ان میں مؤذن کو پانچویں حدیث سے بھنی بکری۔ چھٹی سے کدو۔ ساتویں سے چھوہارا۔ بارہویں بیسویں سے کھانے پانی کا برتن ٹھہرایا ہی تھا۔ کیا اگر کوئی مولوی صاحب کو بھنی بکری یا کدو یا چھوہارا یا کونڈا یا تشلا کہے، تو اپنی توہین نہ سمجھیں گے۔ غضب یہ کہ اٹھارہویں سے مؤذن کو کتا بنا دیا۔

(۹۷۹) معنی یہ ہوئے کہ جیسے بھنی بکری کدو وغیرہ چیزیں کھانے والے کے سامنے بے دم پڑی ہوتی ہیں، اسی طرح مؤذن کو چاہیے کہ خطیب کے سامنے دم سادھ کر پڑ جائے۔

(۹۸۰) یا جیسے کتا نمازی کے سامنے بھاگتا ہوا نکل جاتا ہے یونہی خطیب کے سامنے کروٹ سے آکر دم دبائے چلا جائے، کیوں کہ مولوی صاحب نے مؤذن کو کتے پر قیاس کیا ہے، اسی کا سا مرور بین یدیہ اسے بھی چاہیے۔

(۹۸۱) سخت اشد ستم یہ کہ یہی مؤذن جسے ابھی ابھی اس کے ایک فعل کے باعث سانپ بچھو اور شیطان اور کتے سے تشبیہ دے چکے تھے، تیرہویں حدیث لاکر اسی کو اسی بات

میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند ٹھہرادیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

مولوی صاحب توبہ کروتوبہ۔ ان باتوں کا انجام بہت برا ہے۔ آئندہ تم جانو تمہارا کام۔

قسم (۲۷) اپنے خصم کا کلام سمجھنے تک کی لیاقت نہیں اور اعتراض کوموجود

(انعام)

(۹۸۲) یہاں کے فتوائے مبارکہ کے عنوان میں تھا: ''مسلمانوں کو سو شہیدوں کے ثواب اور باریابی دربار رسالت علیہ الصلاۃ والتحیہ کی بشارت'' اور جواب سوال ہفتم میں اس کا بیان بھی فرمادیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ا۔ جبھی منبر سے متصل کراتے ہو کہ دروازے پر ہوا تو لاٹھی کیسے پڑے گی۔

تھا کہ ''انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے میری سنت زندہ کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔

تو آخرت میں اللہ کریم اور اس کے حبیب رؤف ورحیم۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے کرم سے سنت زندہ کرنے پر باریابی دربار رسالت کا وعدہ ہے، نہ کہ دنیا ہی میں۔ مگر جن کا مبلغ علم دنیا ہے وہ تو سب کچھ یہیں چاہیں کہ:

﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾(۱)

الٰہی ہمیں تو ہمارا حصہ قیامت سے پہلے ہی دے دے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

ایسوں کو دنیا ہی سوجھتی ہے، اور جو سنیں اسے یہیں سمجھتے ہیں، ممکن کہ مولوی صاحب ایسے نہ ہوں، مگر سمجھے انھیں کی سی کہ یہ باریابی دربار یہیں بتائی جاتی ہے۔ لہذا

---

(۱) [صٓ:۱۶]

ص ۵۹/ پر ارشاد حدیث کو مفتی علامہ کا اپنا الہام بنا کر بولے:

''یہ الہام رحمانی ہوتا تو ضرور جواذان باہر کہلواتے ہیں ان کو یہ دولت میسر ہوتی، ہزاروں آپ کے بہکانے سے بہک گئے ہیں، بتلایئے کتنوں کو یہ دولت دربار رسی کی حاصل ہوئی، اور ظاہر ہے کہ اس فعل سے کسی کو بھی زیارت اور دربار رسی میسر نہ ہوئی، تو معلوم ہوا کہ یہ الہام شیطانی تھا، مولانا توبہ کرو، کیا غلام احمد قادیانی بننا چاہتے ہو، اول میں اس کے بھی ایسے ہی خیالات تھے، آخر میں کیا گل کھلا''

اس اوندھی کھوپڑی کی کوئی حد ہے کہ حدیث بشارت دے آخرت کی، اور آپ سمجھیں دنیا میں۔ مگر مجبور ہیں کہ ان کو قرآن مجید سے ایک ہی دعا یاد ہے کہ:

﴿رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبلَ يَومِ الحِسَابِ﴾ (۱)

(۹۸۳) حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الہام شیطانی کہنا مولوی صاحب کا ایمان ہے، مگر ان سے کیا شکایت کہ ابھی ابھی قرآن عظیم کے ارشادات کو شیطانی وسوسے کہہ چکے۔ مولوی صاحب اتنا بے باک تو قادیانی ناپاک بھی نہ تھا، آپ تو اس کے بھی گرو نکلے۔

(۹۸۴) اب آپ کا فرمانا: ''کہ باریابی دربار رسالت کا کس بنا پر وعدہ کیا، کوئی حدیث صریح وارد نہیں''، کھلی نابینائی ہوا یا نہیں۔

(۹۸۵) آپ کی یہ نفی پر شہادت کہ: ''ظاہر ہے کہ اس فعل سے کسی کو بھی زیارت میسر نہ ہوئی'' جب آپ سے سوال ہوگا کہ کس بنا پر تھی، تو آپ کیا جواب دیں گے، کوئی آیت قرآنی اس بارے میں نازل نہیں، کوئی حدیث صریح وارد نہیں، اجماع امت کا ہے نہیں کہ جواذان باہر مسجد کے کہلوائے اس کو باریابی دربار رسالت نہ ہو۔

شریعت کی یہ تین دلیلیں ہیں، ان سے تو ثبوت ہے نہیں، اور اللہ ورسول۔ جل

---

(۱) [سورة ص:۱٦]

وعلاو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے کرم وعطا میں قیاس کو دخل نہیں، پھر اس پر کیا دلیل ہے ؟۔ رہا آپ کا الہام اس کا اعتبار نہیں، کیا غلام احمد قادیانی بننا چاہتے ہو، اول میں اس کے بھی ایسے ہی خیالات تھے، آخر میں کیا گل کھلا۔ اپنے مجموعہ کذب ودروغ ومکروفریب وافترا وبہتان وضلال وطغیان کو کہہ دیا کہ: ''بمرضی حضور پرنور علیہ الصلاۃ والسلام یہ کام کیا گیا''

اور متبعان سنت کی نسبت بلا دلیل دعوی کر دیا کہ ''اس فعل سے کسی کو زیارت میسر نہ ہوئی'' حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولًا﴾ (۱)

جس کا تجھے علم نہیں اس میں نہ پڑ بے شک کان آنکھ دل سے سوال ہونا ہے۔

اور فرماتا ہے:

﴿أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۲)

کیا اللہ پر وہ کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اور فرماتا ہے: ﴿سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ﴾ (۳)

اب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس ہوگی کہ کس دلیل سے گواہی دے بیٹھے۔

کیوں مولوی صاحب! اپنی قادیانی رنگت دیکھی۔

(۹۸۶) مخالفین نے حدیث صحیح پر امام ابن اسحاق کی تدلیس سے اعتراض کیا، علمائے اہل حق نے ائمہ حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک اس کا طعن نہ ہونا اور مدلس کا عنعنہ

---

(۱) [الاسرائیل:۳۶] (۲) [سورۃ البقرۃ:۸]

(۳) [سورۃ الزخرف:۱۹]

مقبول ہونا ثابت کیا، آپ سمجھے کہ سرے سے تدلیس ابن اسحاق سے انکار ہے۔ ص ۵۰ پر بولے:"

ابن الہمام ،عینی، قسطلانی، دار قطنی، امام احمد ابن حجر وغیر ہا (۱) نے جھونٹ (۲) بولا کہ ابن اسحاق مدلس تھا" واہ رے سمجھ کی پھونٹ (۳)

(۹۸۷) فتوائے مبارکہ مطبوعہ تحفہ میں فرمایا تھا:

"وبماقدمنا من تحقيق مفاد بين يديه وأنه يستدعى بقرينة الحال قرباًينا سب المقام الخ"

آپ ص ۵۶ ر پر اس کا ترجمہ فرماتے ہیں:

"اور ساتھ تحقیق مفاد اور معنی بین یدیہ کے جو پہلے گزرے کہ مستدعی ہے بقرینہ حال قرب مناسب کو مقام سے"

مولوی صاحب کیا کہنے ہیں اچھی سمجھے "وإنہ" کی واوعاطفہ کو کاف بیانیہ بنالیا۔

(۹۸۸) جہالت بر جہالت یہ کہ اس سے سمجھ لیے کہ نفس معنی بین یدیہ محتاج قرینہ ہیں، اب اس اپنی فاسد نیو پر ص ۵۷ ر میں چنائی لے چلے کہ:

"چوتھی غلطی بلا قرینہ مجاز اختیار کرنا، پانچویں غلطی قرینہ حالیہ کا قول کرنا اور اس کے اوپر دلیل نہ قائم کرنا"۔ آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آئی خود ہی تھک کر بول گئے:" کلامے معنیش در بطن قائل"۔ یعنی انگور کھٹے ہیں۔

مولوی صاحب! جس کا فصیح بلیغ کلام سمجھ نہ سکو، جس کی سلیس واضح عبارت کا

۱۔ ائمہ کے نام گنا کر ان ناموں کی طرف مؤنث کی ضمیر "مولوی صاحب وغیرہا" ان کے یہاں پھرتی ہوگی۔۱۲

۲۔ جھونٹ بڑے نون سے عجب وہ جس کی کونٹ میں آیا یعنی کوٹ میں ۱۲ منہ

۳۔ یعنی پھوٹ۔۱۲ منہ

ترجمہ نہ کر سکو اس پر مونھ آنا کیا مقتضائے انصاف ہے۔

(۹۸۹) عربی تو عربی مولوی صاحب اردو بھی 'نمی فہمند' یہیں تو فرما دیا تھا کہ: ''بماقدمنا من تحقیق'' اور آپ نے اتنا ترجمہ سمجھ بھی لیا تھا کہ ''تحقیق جو پہلی گزری'' وہ تحقیق گزشتہ تو اردو میں تھی کہ: ''لفظ بین یدی کا حاصل صرف اس قدر کہ سامنے آگے مواجہہ میں'' پھر فرمایا: ''بین یدی سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے'' پھر فرمایا: ''ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرائن حالیہ ایک نوع قرب ہر شی کے لائق مستفاد ہوتا ہے''۔ جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ لفظ فی نفسہ مطلق ہے اس کا اپنا مفاد مواجہہ ہے، اور اشیا میں قرائن خارجہ سے حدود قرب ہر شی کے لائق مستفاد ہوتی ہیں، اس لیے ''وانہ'' میں واو عاطفہ فرمایا تھا کہ دو باتوں کی تحقیق گزری تھی، ایک نفس مفاد لفظ۔ دوسری بحسب مقام، ایک قرب مناسب کا استدعا۔ اب کسی طالب علم سے پوچھ دیکھیے کہ مطلق اپنے مصادیق سے جس پر اطلاق ہو حقیقت ہی ہوگا، تعیین مصداق بذریعہ قرینہ ہونا مطلق کو اپنے نفس معنی میں محتاج قرینہ ومجاز نہ کر دے گا۔ مگر ع: آنرا کہ خرد نیست از و ہیچ عجب نیست۔

(۹۹۰و۹۹۱) قرائن حالیہ سے تعیین مصداق پر دو آیات کریمہ تلاوت فرمائی تھیں،

﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ (۱)

اور فرمایا: ''بین یدی نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی اترے الخ''

دوسری ﴿بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ (۲)

اور فرمایا: ''آیت سے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا، نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے الخ''

پوری عبارات قسم ۲۲ رمیں گزریں، مولوی صاحب آیات کو تو کیا سمجھتے ان دونوں

---

(۱) [النمل:٦٣] (۲) [سورة سبا:٤٦]

عبارات ہی کو نہ سمجھے، اور فرمادیا کہ: ”قرینہ حالیہ کا قول کرنا اور اس پر دلیل نہ قائم کرنا“

ع: برین فہم و دانش بباید گریست۔

(۹۹۲) ص۴۴ س۲ ”مولانا نے یہ معین نہ کیا کہ یہ معنی بین یدیہ کے حقیقی ہیں یا مجازی“

سبحان اللہ! معنی بتائے، محاورے دکھائے، آیتیں سنائیں، حدیث لائے، اور آپ ابھی اسی سوچ میں ہیں کہ زلیخا مرد یا عورت۔

(۹۹۳) طرفہ تر یہ کہ ع: کہ خود گفتہ و خود نداند کہ چیست۔ قرینہ حالیہ کا لفظ دیکھ کر سمجھ لیے کہ معنی مجازی بتائے ہیں، خود ہی فرمایا کہ ”بلا قرینہ مجاز اختیار کرنا“ آپ کی الٹی سمجھ پر بھی تو معین کر دیا تھا کہ معنی حقیقی ہیں یا مجازی۔

(۹۹۴ تا ۱۰۰۰) حدیث ابن ماجہ "من أدرك الأذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجته وهو لايريد الرجوع فهو منافق"(۱)

مسجد میں جو شخص اذان پائے پھر بلا ضرورت نکلے اور آغاز جماعت تک واپسی کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہ منافق ہے۔

ہر تھوڑی سمجھ والا بھی سمجھ لے گا کہ ارشاد حدیث یہ ہے کہ جو مسجد میں ہو اور اب اذان ہوئی وہ بے نماز پڑھے مسجد سے باہر نہ نکلے، اور اگر کوئی ضروری کام ہو تو جماعت ہونے سے پہلے واپس آجانے کے ارادے پر نکلے ورنہ وہ منافق ہے، مسجد میں اس شخص کا ہونا مراد ہے۔ اسی کو ”ثم خرج“ فرمایا ہے کہ پھر باہر نکلا، اسی کو "لايريد الرجعة" فرمایا ہے: کہ مسجد میں واپسی کا ارادہ نہ کیا، مگر جاہلوں کی نافہمی کے علاج کو فتوائے مبارکہ تحفہ حنفیہ میں اس پر تنبیہ فرمادی تھی کہ " في المسجد ظرف الادراک دون الأذان"

---

(۱) [نصب الراية لأحاديث الهداية باب ادراکالفريضة:۲۰۲۷:۲/۱۵۵]

اور اسے شرح علامہ مناوی سے واضح فرمایا تھا کہ انہوں نے ”فی المسجد“ سے پہلے ”وھو“ بڑھایا، یعنی وہ شخص مسجد میں ہو۔ پھر حدیث صحیح امام احمد سے روشن کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اذا کنتم في المسجد فنودي بالصلوة فلایخرج أحد کم حتی یصلی“(۱)

جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو تم میں کوئی بے نماز پڑھے نہ نکلے۔

حدیث نے صاف فرمادیا کہ وقت اذان نمازی کا مسجد میں ہونا مراد ہے نہ کہ مسجد کے اندر اذان۔ مولوی صاحب کی تمیز

اولاً: اس ظاہر متبادر واضح لائح معنی کی توجیہ سمجھی، یہ جہالت ہے۔ توجیہ یہ کہ ظاہر اُروئے سخن اور طرف ہو اسے معنی مقصود کی طرف پھیرا جائے۔ کلام آپ ہی جس طرف متوجہ ہے کیا محتاج توجیہ ہے کہ تحصیل حاصل ہے۔

ثانیاً: اس بیان معنی کو جو شرح مناوی وحدیث احمد سے روشن تر فرمایا تھا، ان دونوں کو دو توجیہ جداگانہ سمجھے کہ ص ۱۷/ پر بولے: ”جناب مولانا صاحب نے تین توجیہیں اس حدیث میں کیں“ مولوی صاحب کی سمجھ کی یہ حالت ہے تو حرفے گفتن چہ ضرور۔

ثالثاً: اس پر جو ریزیں فرمائیں کہ ”اگر چہ قرب فی المسجد کا ظرف ہو تو کیا استحالہ ہے، آپ مستدل ہیں اور یہ کہ مناوی نے ایک محمل اختیار کیا تو دوسرے تیسرے احتمال کی نفی نہ ہوئی“

ان کی خدمت گزاری تو جناب کی قسم ہنقیت میں گزری، مگر حدیث امام احمد سے جواب اور بھی مزے کا ہے کہ:

---

(۱) [الترغیب والترھیب: ۱/ ۱۸۹]

''فنودي بالصلاة'' میں اگر قید خارج المسجد کی مذکور ہوتی تو آپ کو مفید ہوتی، مطلق دونوں کا احتمال رکھتا ہے''

عقل کی پڑیا کلام ''فی المسجد'' کے تعلق میں تھا کہ ''أدرك'' سے متعلق ہے، یا ''الأذان'' سے؟۔ حدیث صحیح مسند نے واضح فرمادیا کہ ''أدرك'' سے متعلق ہے، بات ختم ہوگئی، آگے آپ کی نافہمی کے سوا کیا ہے۔

رابعاً: یہاں بھی وہی ہنقیت ہے، بے عقل مخالف اس حدیث سے مسجد کے اندر اذان پر استدلال کرتا تو قید'' في المسجد'' متعلق اذان نہ ہوتا، بلکہ اذان سے اس کا تعلق ضرور نہ ہونا ہی ہمیں کافی تھا، نہ کہ قید'' في المسجد '' رہی ہی نہیں مگر تعلق رہ گیا کہ خود آپ کے منہ دونوں احتمال رکھتا ہے، پھر مستدل بے چارے کے ہاتھ میں کیا رہا۔ زہے ملائی۔

خامساً: یہ تمیز عش عش کرنے کے قابل ہے کہ: ''اگر بوجہ قرب 'فی المسجد' کا ظرف ہو'' مولوی صاحب شرح مائۃ عامل پڑھیے: ''فی المسجد'' ظرف ہے نہ کہ '' فی المسجد '' کا کوئی اور ظرف ہے۔

سادساً: یونہی سہی پھر یہ کس نے کہا کہ ''فی المسجد کا ظرف ہو'' کون ہو، کیا اذان ظرف ہو، یعنی اذان کے اندر فی المسجد حلول کر جائے، زہے ملائی۔ اور اگر لفظ (کا) کاتب کے سر منڈھیے کہ اس نے غلط بڑھا دیا تو اب بھی کلام مہمل ہے ''فی المسجد '' تو ہر طرح ظرف ہے بوجہ قرب کی اس میں کیا خصوصیت، اور اس میں استحالہ کس نے کہا تھا، غرض مولوی صاحب لکھتے نہیں، بلکہ کوئی خواب پریشان دیکھ کر برّاتے ہیں۔

سابعاً: علامہ مناوی نے جو شرح فرمائی کہ: ''(من أدرک الأذان) وهو (في المسجد)'' اس پر ریز کی کہ: ''اگر هو کی ضمیر اذان کی طرف راجع کریں تو مطلب کیا ہوا'' جنابا! یہاں علامہ نے آپ کی اس جہالت ''بوجہ قرب'' کا علاج فرمایا تھا۔ اگر ''فی المسجد'' ظرف اذان ہوتا تقدیر ضمیر و تفسیر ظرف بجملہ حالیہ کی کیا ضرورت ہوتی۔ ''ولکن

المولوی جی لایفهمون''.

اللہ اللہ ہزارہ تو پورا ہو گیا اور کمالات مولوی صاحب کو بس نہیں

مولوی صاحب کی آثار المبتدعین کی ردی حالت دیکھ کر پہلے صرف اتنا ارادہ ہوا کہ سراوالی کے رد کی طرح اس پر بھی ایک اشتہار چھاپ دیں، پھر خیال ہوا کہ اس قدر کثیر ووافر انبار افترا وخیانت ومکر وجہالت کا اس کے لائق نمونہ دکھانے کو بھی ایک اشتہار کیا بس ہوگا۔ لہذا قصد ہوا کہ ''نفی العار'' کی طرح اس ''مقتل کذب وکید'' میں بھی مولوی صاحب کے صرف سوسوا سو کمالات گن دیں گے، مگر قلم اٹھا تو پانسو سے زیادہ پر نمبر پہنچا اور بہت باقی تھے۔ لہذا یکم ذی القعدہ کے اشتہار میں (کہ مولوی صاحب کے دو جیتے افتراؤں پر پیشگی سو روپے کا انعام اور دس دن کا وعدہ تھا، بفضلہ تعالیٰ ان دس روز کو گزرے بھی آج پانچواں (۱) دن ہے اور مولوی صاحب کی صدائے برنخاست) یہ اندازہ لکھ دیا تھا کہ ''مقتل کذب وکید'' میں سات سو سے زیادہ ان کے مکر وکذب وکید کا شمار ہے، رسالہ زیر طبع ہے اسے دس ہی دن گزرے کہ کلکتہ کی ایک تحریر آئی جس میں حقیقۃً ان صاحبوں نے ہماری موافقت کی، مخالفین کے شبہات پر قیامت کی، مگر.......... خبر باشتباہ کی بنا پر نام خلاف لیا جس کے جواب میں یہاں سے فوراً رسالہ ''النکتہ علی مراء کلکتہ'' چھاپ کر چوتھے روز مرسل ہوا، اس ہفتہ میں مولوی صاحب کے شمار پانسو بنتے نوسو تک پہنچا، اور بہت باقی تھا۔ لہذا رسالہ ''النکتہ'' میں اب یہ تخمینہ لکھا کہ ''تازہ رسالہ مقتل کذب وکید کہ زیر طبع ہے، ان پر کامل ایک ہزار رد اس میں ہیں'' اور اسی بنا پر اس کا تاریخی لقب ہزار ضرب اقویٰ (۱۳۳۲) تجویز کیا۔

شان خدا کل ہی وہ رسالہ روانہ ہوا ہے، آج مولوی صاحب پر ہزارہ پورا ہو گیا۔ اور ہنوز بہت کچھ کہنا ہے، اب اسے ہم کیا کریں جہالات میں ان کی بڑھتی دولت ہی نا متناہی

۱۔ اور آج تو یہ کہ کاپی ریز طبع ہے ۱۴؍ روز ہو گئے وللہ الحمد۔ ۱۲

سی ہے، خدا دے اور بندہ لے۔ ضروری ابحاث چھوڑے نہیں جاتے، ادھر ناظرین انتظار میں ہیں۔ لہذا اس ہزارے کو مقتل کذب وکید کا حصہ اول بنائیں اور بعونہ تعالی دوسرے حصہ میں ہزار دوم کا آغاز کریں۔

ناظرین علم دوست کو بشارت ہو کہ بفضلہٖ تعالیٰ اس حصہ میں نہایت نفیس وجلیل ابحاث علمیہ ہوں گے کہ اس میں مولوی صاحب کی اقسام جہالت کا بیان ہے، ہندسہ دانوں کو مژدہ کہ اس کے آخر میں بحولہ تعالیٰ ہندسی مباحث بھی ہوں گے کہ وہاں مولوی صاحب کی ہندسہ دانی بھی کھولی ہے، وبالله التوفیق وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه وابنه وحزبه اجمعین ۔ آمین والحمد لله رب العٰلمین

مسلمانوں کو نہایت ضروری اطلاع

مسلمانو! ''اذان من اللہ'' میں مولوی عبدالغفار خاں صاحب پر ۴۴/ رد تھے۔ ''نفی العار میں'' ۱۱۶/ رد تھے۔ ''سلامۃ اللہ لاہل السنۃ'' میں ۳۵۰/ رد تھے۔ اب اس ''مقتل کذب وکید حصہ اول'' میں ۱۰۰۰/ رد ہیں۔ اب تک ان پر ڈیڑھ ہزار دس رد ہوئے۔ ان کی'' آثار المبتدعین'' میں آپ سن چکے کہ محض جھوٹ فرمادیا کہ ہم نے ان چون اعتراضوں کے بھی اس میں جواب دیے ہیں، اور جھوٹ کا پردہ یہ رکھا کہ ضمناً دیے ہیں، بچوں کی طرح نمبر وار نہیں دیے ہیں۔

مسلمان ہوشیار رہیں! آیندہ اگر مولوی صاحب کی کوئی تحریر چھپے اس میں ڈیڑھ ہزار اعتراضوں کے نمبر وار جواب دیکھ لیں، ورنہ وہ تحریر اصلاً قابل توجہ نہ ہوگی۔ ہزاروں اعتراضوں میں ایک کا جواب نہ دیں، اور وہی ہمیشہ کی مردودیت پیش کریں، اور محض جھوٹ سے اس کا نام جواب رکھیں، یوں تو کوئی اجہل سا اجہل امام اعظم سے بھی نہیں ہار سکتا۔ ہم اطلاع کر چکے، آگے انصاف کی توفیق وہ اللہ عزوجل کے ہاتھ ہے۔ والسلام۔

آج ۲۵/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو طبع ہو کر شائع ہوا۔

"آثار المبتدعين لإعدام حبل الله المتين"

کا تیسرا رد

رساله نفي العار

من

معايب المولوي عبد الغفار

۱۳۳۲ھ

بحمدہ تعالیٰ

تمہید

دربارۂ اذان جناب مولوی عبد الغفار خاں صاحب کی پہلی تحریر پر رسالہ ''اذان من اللہ'' شائع ہوا،اس کے سوالات کا مولوی صاحب نے اب تک جواب نہ دیا،ان کی دوسری تحریر پر رسالہ مبارکہ''سلامۃ اللّٰہ لأہل السنۃ'' پہنچا ہوا ہے،جس میں ان پر ساڑھے تین سورد ہیں،جب چون (۵۴) کا جواب بفضلہٖ تعالیٰ ناممکن ہوا،ساڑھے تین سو کی جھوک کون اٹھائے،مگر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب نے وہ دونوں تحریریں گاؤخورد ودریا برد فرمادیں،دعوت مناظرہ کے جواب میں صاف تحریر فرما بھیجا کہ نہ یہ تحریریں میری نہ میں نے ان کی تصدیق کی نہ حکم کیا،نہ مشورہ دیا،لوگوں نے مجھ پرافترا کیا، میں ان کی فریاد اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔

اس خط کے شائع ہونے نے رام پوری ساری کمائی خاک میں ملائی، ناچار احباب کو اس زخم ناممکن الاندمال کی مرہم پٹی ضرور ہوئی،سہ بارہ ایک تحریر پھر لکھنی پڑی۔ مضمون لائیں کہاں سے،اعتراضات قاہرہ کا جواب دیں کس دل وزبان سے،مجبورانہ انھیں مردودات سے ایک پرچہ پھر پرُ کر کے شائع کیا اور اس کے آخر میں پھر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کے نام سے ایک سطر عبارت بے معنی کو جلوہ دیا۔

یہ اشتہار بوجہ کمال اہمال قابل توجہ نہ تھا مگر بخاطر عوام دو صاحبوں نے اس کے دورد تحریر فرمائے،ایک مکرمی جناب قاضی عطا علی صاحب بیسلپوری نے،دوسرا جناب مکرمنا مولوی سید ظہیر حسن صاحب الٰہ آبادی نے،یہ دونوں رد اپنی نوعیت میں جدا جدا طرز پر تھے۔بعض اعتراضات مشترک اور اکثر علاحدہ۔بعض احباب نے مناسب جانا کہ ان

دونوں کو ایک سلک میں منسلک کیا جائے کہ في الجماعة بركة۔ لہذا جناب مولانا مولوی ابو البرات محی الدین جیلانی نے مکررات کو ملخص کیا اور بہت افادات کا اضافہ فرمایا، اوران تینوں تحریروں کے مجموعہ کو کہ سہ گرز یک فاختہ ہے بنام تاریخی "نفی العار من معایب المولوی عبد الغفار" مسمی کیا۔ "معایب المولوی عبد الغفار" کے عدد (۱۶۳۴) اور "العار" کے عدد ۳۰۲۔ لفظ "نفی" ان میں سے ان کی نفی پر دال پس ۱۶۳۴۔۳۰۲=۱۳۳۲۔ وباللّٰہ التوفیق۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم

الحمدللہ منکران مجددین کے منہ سے اہل حق کی ڈگری بحال

الحمد للہ جناب مولوی عبد الغفار خاں صاحب رامپوری کی تازہ تحریر نے اور بھی واضح کر دیا کہ مخالفین کے پاس علمائے اہل حق کے کسی اعتراض کا جواب نام کو نہیں، ورنہ کس دن کے لیے اٹھا رکھتے، ساتھ ہی نہ قبول حق کی توفیق، نہ سخن پروری چھوڑنے کی، اور یہی حال نہ ایک مولوی صاحب موصوف بلکہ اس مسئلہ میں جملہ مخالفین کا ہے، ولہذا آٹھ سو سے زائد سوالات پہنچے ہوئے ہیں، کوئی صاحب کسی کے جواب کا نام نہیں لیتے اور اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ بلا پس ہو یہ بھی سہی مگر ہر بار کوئی صاحب نئی بات تو فرماتے ہیں جس سے دیکھنے والے مبصروں کو اتنا صبر تو آتا کہ اگر چہ غلط کہی مگر نئی تو کہی۔ نئی کا ازالہ ضرور ہے، یہ نہیں بلکہ جب کہیں گے اور نئے پرانے جو صاحب کہیں گے وہی ڈھاک کے تین تین پات۔ جس کے سو سو رد ہو چکے۔ ایک رد کو ہاتھ نہ لگائیں اور پھر وہی مردودات سامنے لائیں، الٰہی اگر وہ دھوکہ دیتے ہیں تو کیا دیکھنے والوں کے منہ پر بھی آنکھیں نہ رہیں۔ اللہ ہدایت فرمائے، اللہ اتباع حق کی توفیق دے، آمین۔ اب سلسلۂ اعتراضات شروع کروں، وباللہ التوفیق:

(۱) تنقید اشتہار سے پہلے اشتہار کا وہ سفید جھوٹ دیکھیے جو اس کا آغاز بلکہ اس کے عنوان سے بھی پہلے ہے، کہ میری جانب سے یہ اول تحریر ہے جو جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے مقابل شائع کی گئی۔

اقول: سبحان اللہ

جانتے ہی نہیں تم کذب کا انجام ہے کیا　　بات ایک پہلی پہل نام خدا تم نے تو کی

مولوی صاحب کیا آپ کو اپنے اس پہلے فتوے سے انکار ہے جس کے رد میں اعتراضات قاہرہ کے تین حصے چار ماہ سے زائد ہوئے کہ درگاہ رضوی سے شائع ہوئے اور آج تک جناب کو جواب کے لیے قلم پکڑنے تک کی ہمت نہ ہوئی۔

(۲) کیا مولوی عظمت شاہ کی طرف منسوب فتویٰ پر آپ نے مہر نہ کی، اور وہ بھی الجواب ھو الصواب لکھ کر جس نے فرضی نام کی ٹٹی کھول دی اور وہ ساری تحریر آپ کی بول دی۔ کیا یہ آپ کی دونوں تحریریں فتوائے اعلیٰ حضرت کے مقابل نہ تھیں۔ پھر اس نئی کو اپنی تحریر اول بتانا کیا ناواقفوں پر دن دہاڑے اندھیری ڈالنا نہیں۔

(۳) اس انکار سے جناب کا مطلب تو یہ تھا کہ آپ کی پہلی تحریر پر چون (۵۴) دوسری پر ساڑھے تین سو (۳۵۰) اعتراضات قاہرہ پہنچے ہوئے ہیں، ان سے جان بچ جائے کہ وہ تحریریں ہماری ہیں ہی نہیں، ہم تو پہلی بسم اللہ آج بولتے ہیں، مگر عاقلان نیک می دانند۔ جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب ان دونوں تحریروں، ان کی تصدیقوں، بلکہ ان میں مشورہ تک کی شرکت سے منکر ہو گئے، تو ان کا انکار وجہ سے ہے، اور متواتر خبروں سے ثبوت ہوا کہ وہ مظلوم ہیں، انھیں ہر بار مجبور کیا گیا، ناجائز دباؤ ڈالے گئے، اور پیچھا چھڑانے کو انھوں نے دو حرف گول پہلو دار لکھ دیے، خدا ناترسوں نے ان میں طنز کے پھندنے لگا کر فریبی فتووں کی تصدیق بنا کر چھاپ دیے، جس کی فریاد وہ اللہ عزوجل سے کرتے ہیں۔ ان کے خط میں ان باتوں کی تصریح ہے مگر آپ ان دو تحریروں سے کیوں کر مکر سکتے ہیں۔ آپ ہی بادی، آپ ہی بانی، اور آپ ہی منکر ہوں۔ اگر ناگواری خاطر عاطر کا خیال نہ ہوتا تو یہاں یہ دو شعر عرض کرنا بے جا نہ تھا:

گر بوذ کا منکر شدہ انکار او دارد سبب

تو از چہ رو منکر شوی بادی توئی بانی توئی

دادازتو ایشاں خواستہ نان ازتو ایشاں یافتہ

اطفال تصدیقات رادادی توئی نانی توئی

خیر مطلب جناب تو یہ تھا مگر نہ سمجھے کہ یہ بھی اہل حق کی صریح جیت ہے، آپ بھی جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کی طرح تحریر دے دیجیے کہ میری طرف ان دونوں فتووں کی نسبت افترا ہے، نہ میری تحریر نہ تصدیق، نہ حکم نہ مشورہ، اور بہتر ہے کہ دو ایک سنی جو اور رہے جیسے مولوی حامد حسین صاحب ان سے بھی یوں ہی لکھوا دیجیے، ان چار سو چار قاہر اعتراضوں سے سر بچانے کی یہ سب سے بہتر تدبیر ہے۔

اب باقی رہے چند جہال ومجاہیل، یا ضلال واضالیل، یا اطفال ومطافیل، انھیں کون منہ لگاتا ہے، مطلع صاف ہے، وللہ الحمد۔ بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ ایک جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کے انکار ہی سے مطلع صاف ہوگیا، آپ دو تین حضرات بھی نرے برائے بیت تھے، کما لا یخفی۔

(۴) یہ تو فرمایئے کہ سوالات قاہرہ کے اعتراضات قاہرہ کا جو قرضہ جناب پر چار پانچ مہینے سے سوار ہے وہ کیوں نہ ادا فرمایا۔

(۵) حق نما فیصلہ کے (۶۰) سوالوں کا جواب کیوں نہ لکھا۔ اگر دعوی علم ہے تو وہ شرق سے غرب تک تمام علمائے اہل سنت سے سوال تھے اور قطعی اعلان لکھ دیا تھا کہ جو صاحب خلاف چاہیں پہلے ایماناً ان کے جواب دے دیں پھر جو چاہیں فرمائیں، ورنہ ان کی بات اہل انصاف کے نزدیک ہرگز لائق التفات نہ ہوگی، اور اگر جناب ان کے جواب سے یوں بچیں کہ وہ سوال تو علما سے ہیں، ہم عالم نہیں تو جناب آپ کو شرعی فتوے میں دخل دینے کا کیا حق ہے، آپ نے حدیث شریف نہ سنی کہ "من أفتى بغير علم لعنته ملائكة السماء والأرض "(۱)

(۱) [جامع الصغير: ۲/۵۱۷۔ حديث: ۸٤۹۱]

جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں، والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔

(۶) طرفہ یہ کہ جناب نے دیوبندیوں کا دامن پکڑا، بہت باتوں میں کان پوری تحریر بلکہ سراوالی تک کی تقلید فرمائی، مگر "وقایۃ اہل السنہ" کا جواب نہ لکھا۔ مردود کا ساتھ دینا اور تین سو قاہر ردوں پر سانس نہ لینا کیا شرط انصاف تھا۔ مگر آپ کیا کیجیے اس مسئلہ میں سب مخالفوں کی قسمت کا یہی بدلہ ہے۔

قولہ: مدعیان مجددیت کی ڈگری ڈسمس۔

اقول: مولوی صاحب جسے دنیوی دو کوڑی کے فیصلہ کا اختیار نہ ہو وہ حاکم مرافعہ بنے، ڈگری کو ڈسمس کر سکے اور ڈگری بھی کون سی اہل حق کی جن کو ڈگری دینے والے اللہ ورسول ہیں۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۷) آپ حضرات تو دیدہ و دانستہ حق کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے ہیں، مگر کیا سب مسلمان معاذ اللہ آپ ہی جیسے ہو جائیں گے، کیا مسلمان نہ دیکھیں گے کہ یہ ڈگری کس بات پر تھی، اس پر کہ آپ صاحبوں نے اپنے دونوں فتووں پر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کی تصدیق چھاپی۔ رام پور، پیلی بھیت، بیسل پور، بریلی، مرادآباد، پاس پاس کے شہروں میں انھیں کی مہر کا شہرہ تھا، مخالف انھیں کا نام لیتے تھے۔

الحمد للہ کہ انھوں نے آپ حضرات کا فریب کھول دیا، صاف صاف حق بول دیا کہ نہ یہ فتوے میں نے لکھے، نہ ان کی تصدیق کی، نہ حکم کیا نہ مشورہ دیا، میری طرف اس کی نسبت محض بہتان وافترا، میں اللہ سے ان کی فریاد کرتا ہوں جنھوں نے میری عبارت میں گھٹا بڑھا کر ان فتووں کی تصدیق بنالی۔ فرمایئے اہل حق کی ڈگری تو یہ تھی، آپ کی اس ڈسمس میں اس کے کس حرف کا انکار ہے؟۔ کیا اب مولوی سلامت اللہ صاحب نے لکھ دیا کہ ہاں وہ فتوے میرے ہیں؟۔ یا میں نے ان کی تصدیق کی ہے؟۔ یا میں نے حکم کیا، یا مشورہ دیا؟۔ اور جب وہ اب بھی ان میں سے کچھ نہیں لکھتے تو ڈگری کاہے پر ڈسمس ہوئی۔

(۸) بلکہ خدا عقل دے تو ڈگری پر اور رجسٹری ہوگئی کہ ان کا وہ خط شائع ہونے کے بعد اہالی موالی نے ان کو بری طرح گھیرا۔نہایت ناگفتنی سخت سست کلمات بررد کہے۔(ہمیں وہ کلمات بھی معلوم ہوئے ہیں۔مگر ہم اپنا قلم و کاغذ ان گندے لفظوں سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے) یوں گلے پر چھری رکھ کر شاید کسی پرچہ پر کوئی سطر ان سے لکھوا پائی، اول تو یہی کیا اعتبار کہ وہ سطر یہی ہے جو آپ کی اس تحریر سوم میں ہے، جو بے باک دو بار افترا کر چکے۔تیسری بار افترا کرتے انھیں کیا لگتا ہے، اور جب آپ ان پر اتنے حاوی ہیں کہ گلا دبا کر ان کے خلاف مرضی کچھ لکھوا لیتے ہیں۔تو مہر ان سے جھٹک لینا کیا مشکل ہے، ثقات معتمدین کے سامنے وہ شاکی تھے کہ (ا۔۸) زبردستی میری مہر لے گئے۔

(۹) اگر بالفرض یہی ہے وہ سطر جو زبردستی ان سے لکھوائی۔تو اس میں کیا دھرا ہے، اب بھی انھوں نے ہرگز اقرار نہ کیا کہ وہ تحریر یا تصدیق میری تھی، یا میرے حکم یا مشورہ سے تھی، تو ڈگری دوبالا ہوکر کامل ناطق ہوگئی، فریبی فتووں کا فریب آشکار ہوگیا، پھر بھی ہٹ دھرمی کیے جائیے تو اس کا کیا علاج۔

(۱۰) اس تحریر کا کہنا کہ متوارث سے میری مراد یہ تھی وہ نہ تھی، اس سے ان فریبی تصدیقوں کی کیا مرہم پٹی ہوئی، ان کی مراد یا ان کا عندیہ شریعت میں کیا وقعت رکھتا ہے، وہ کوئی امام ہیں، مجتہد ہیں، شرع میں ذی رائے ہیں، صاحب فتویٰ ہیں، کون ہیں کہ ان کا عندیہ دین الٰہی میں حجت ہو۔بحث تو اس کی تھی کہ وہ صاف فرما چکے کہ...

''نہ یہ تحریر میری، نہ میں نے تصدیق کی، نہ میرا مشورہ، نہ میرا حکم، کم وبیش کرنے والوں کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں''۔

ان کی ان تصریحات کو اس تحریر سے کون سی ٹھیس لگی، بہر حال فریبی فتوے اب بھی فریبی ہی رہے اور یہی اہل حق کی ڈگری تھی۔وللہ الحمد۔

(۱۱) لطف یہ ہے کہ اب بھی انھوں نے صاف نہ کہی، یہی فرمایا کہ مراد وہ معنی ہیں جو فی الواقع محقق ہے، باقی اشاروں سے کام لیا ہے، جن کا مرجع متعین نہیں، دوبار تو ہو چکا

ہے کہ وہ اور پرچہ پر لکھتے اور لوگ اسے اپنی تحریر میں جوڑ دیتے ہیں، ممکن کہ انھوں نے بریلی کا کوئی پرچہ اٹھا کر اس کی پشت پر لکھ دیا ہو کہ جس کا نمونہ اس تحریر میں دکھایا گیا اور اسے حسب عادت آپ نے اپنی تحریر پر نقل کرلیا ہو۔

(۱۲) مدعیان ڈگری اور اسی طرح آپ کی پیشانی کی عبارت مدعیان مجددیت کی ڈگری ڈسمس اگر بفرض غلط انھیں نے لکھی ہو تو اب بھی دو پلی کہی، مدعی جس طرح دعویٰ کرنے والے کو کہتے ہیں یوں ہی عرف میں مخالف اور دشمن کو:

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تو یہ آپ پر اوندھ جائے گی، دیکھیے یہ تیسری بار ہے کہ جناب موصوف پہلو دار سے، آپ کو بہلا دیتے ہیں اور ہر بار آپ حضرات بہل جاتے ہیں، جبھی تو آپ کے موافقین میں جو صاحب کچھ عقل رکھتے ہیں وہ ان دو پہلو باتوں سے بہت کھسیاتے ہیں، بعض صاحب یہاں تک کہتے سنے گئے:

دوہرا امکاں بنایا ہے رہنے کو یار نے گر میں گیا ادھر سے اُدھر سے نکل گیا

ایک صاحب نے اس کا یہ خمسہ پڑھ دیا:

بے تاب کر رکھا ہے دلِ بے قرار نے جاتا ہوں بار بار میں در پر پکار نے
پختہ کیا ہے اس کو کسی پختہ کار نے دہرا امکاں بنایا ہے رہنے کو یار نے
گر میں گیا اِدھر سے اُدھر سے نکل گیا

مگر اہل حق جانتے ہیں کہ مولوی صاحب مظلوم ہیں، اپنا گلا چھڑانے کو توریہ کرتے ہیں: نسأل الله العفو والعافية۔

(۱۳) قولہ: جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے مسئلہ اذان میں تمام سلف وخلف کا خلاف کیا ہے۔

اقول: وقایۃ اہل السنہ نے آفتاب سے زیادہ روشن کردیا کہ سلف کا عمل کیا تھا، زمانہ اقدس رسالت وخلافت راشدہ میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی، مگر آپ حضرات نے تو

عہد باندھ لیا اور سخت سے سخت قسم کھائی ہے کہ ہزار سنیں اور ایک نہ مانیں، اللہ ہدایت دے۔

(۱۴) بلکہ انصافاً یہاں آپ کی بے باکی دیوبندوں سے بڑھی ہوئی ہے، کان پوری تحریر نے تو اتنا کہا بھی تھا کہ ہشام کے زمانہ سے تو اس کا قریب منبر ہونا سب کو تسلیم ہے جس سے ظاہر تھا کہ وہ اس قدر ماننے کو تیار ہے کہ ہشام سے پہلے بیرون مسجد ہوتی تھی، اگرچہ اس کا بھی روشن ردوقایہ نے فرما دیا، اور ثابت کر دیا کہ ہشام نے بھی اذان ثانی میں تبدیل نہ کی، مگر آپ کے منہ سے زمانہ بابرکت حضور پرنور سے الی یومنا ہذا نہیں چھوٹتا۔ قاہر اعتراضات نے کھول کر دکھا دیا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا ہے، افسوس کہ اس وقت نادانستہ تھا اب مکرر تنبیہوں کے بعد دیدہ ودانستہ ہو گیا۔ **إنا للّٰه وإنا إليه راجعون۔**

(۱۵) قولہ: حرمین شریفین۔

اقول: سب میں پہلے فتوائے مبارکہ بریلی میں اس کے جوابات تھے۔ اذان من اللہ تھے۔ حق نما فیصلہ میں تھے۔ اور اب ساڑھے تین سو ردوالے رسالہ مسمی بہ ''**سلامة الله لأهل السنة من سيل النمار والفتنة**'' میں نہایت مفصل ہیں مگر وہاں تو قسم ہوئی ہے کہ سب سے آنکھ چراؤ اور اپنی ہی گائے جاؤ۔

(۱۶) قولہ: اور تمامی ملکوں میں۔

اقول: **أذان من الله. وقاية أهل السنة. وسلامة الله،** میں روشن دلیلوں سے ثابت کر دیا تھا کہ یہ محض جھوٹ ہے، مگر عہد ہو لیا ہے کہ رد کا جواب نہ دینا اور وہی بانگ۔

(۱۷) قولہ: مجمع علیہ سب سلف وخلف کا۔

اقول: اس کے بھی روشن رد اذان من اللہ میں تھے، پھر وقایہ پھر فیصلہ پھر سلامۃ اللہ میں مگر ایمان داری اسی کا نام ٹھہرا ہے کہ سب کچھ دیکھ کر پھر مرغی کی ایک ہی ٹانگ۔

(۱۸) قولہ: جناب مولانا صاحب نے اس سنت متوارثہ کو مٹایا ہے۔

اقول: ''مولوی صاحب للہ انصاف'' تو سو بار کہا اور جناب نے ہمیشہ بے انصافی ہی فرمائی۔ شاید جناب کے یہاں بے انصافی ہی انصاف ہے، تو اب یوں کہو کہ.... ایک ذرا بے انصافی۔ جب جناب کے خصم نے ثابت کر دیا کہ زمانہ اقدس رسالت وخلافت میں یہ اذان بھی بیرون مسجد تھی۔

(۱۹) اور آپ سے بار ہا مطالبے کیے کہ کہیں سے زمانہ رسالت یا خلافت یا صحابہ یا ائمہ ہی میں اس اذان کے داخل مسجد ہونے کا ثبوت دیجیے۔ آپ اس کا ثبوت لا سکے نہ اس کا رد فرما سکے۔

(۲۰) بالآخر یہاں تک کہا گیا کہ معتمد کتاب سے اتنی ہی تصریح دکھا دیجیے کہ اس اذان کا داخل مسجد ہونا سنت متوارثہ ہے۔ اور آپ ہرگز نہ بتا سکے، اور نہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک بتا سکیں۔ پھر متوارث متوارث کی رٹ لگائے جانا کمال ڈھٹائی اور خدا ناترسی ہے یا نہیں؟ کیا آپ سوالات قاہرہ ووقایۃ اہل السنہ وحق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ لاہل السنہ وغیرہا رسائل کے بار سے سبک دوش ہو لیے۔ ہزار میں ایک کا جواب نہ دے، اور اپنی ہی گائے جائے تو یوں تو کوئی اجہل سا اجہل کسی اجل سے اجل امام اعظم سے بھی ہار نہیں سکتا۔

(۲۱) قولہ: کثیر محدثین ہیں کسی نے روایت علی باب المسجد کی نہیں کی۔

اقول: اولاً امام ابن خزیمہ صاحب صحیح جن کا لقب امام الائمہ ہے اپنی صحیح میں اس روایت علی باب المسجد کے دوسرے راوی ہیں۔

(۲۲) امام جلیل ابو القاسم سلیمان ابن احمد طبرانی معجم کبیر میں اس کے تیسرے راوی ہیں۔

مگر آپ سب حضرات نے اپنے جہل کو حاکم ٹھہرا لیا ہے، کہ جو بات آپ کے قاصر علم میں نہیں وہ خدا کی خدائی میں نہیں۔ جیسے اذان کہ آپ نے اپنے گھروں میں اندر

ہوتے دیکھی، بس حکم لگا دیا کہ تمام جہاں میں یوں ہی ہے۔اپنے زمانہ میں ہوتے پائی بس جزم کرلیا کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے یوں ہی ہے۔

(۲۳) ثانیاً: بالفرض اگراور کوئی راوی نہ ہوتا تو امام اجل ابوداؤد کا کتاب صحیح میں روایت فرمانا۔ پھراپنے سکوت سے اس کی تصحیح وتحسین بتانا کیا بس نہ تھا۔نری ابلہ فریبی پر مدار کار رکھنا آپ کوزیبا نہیں۔

(۲۴) قولہ: تمام عالم کے محدثین بین یدیہ کالفظ اختیار کریں۔

اقول: اولاً مولوی صاحب، کیا صریح جھوٹ کھلا کذب کوئی ہنر ہے۔آپ کے نزدیک بخاری ومسلم ،ترمذی، نسائی، وبن وماجہ ومالک تمام عالم کے محدثین میں ہیں یا نہیں۔کسی کے یہاں تو اذان ثانی کی نسبت بین یدیہ کا لفظ دکھا دیجیے،مولوی صاحب اندھے عوام پراوراندھیری ڈالنا قیامت میں سخت ظلمات لاتا ہے۔

(۲۵) اب ذرا اپنی عبارت میں علی باب المسجد کی جگہ بین یدیہ کالفظ رکھ کر یوں پڑھ لیجیے: مشہور کتابیں صحاح کی چھ ہیں۔ایک ہی روای ہیں سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بخاری ومسلم وترمذی وابن ماجہ ومؤطا اورسواان کے کثیر محدثین ہیں کسی نے روایت بین یدیہ کی نہیں کی۔ابوداؤدخود جودوسری روایت نقل کرتے ہیں اس میں بھی بین یدیہ نہیں۔ہرذی عقل جان سکتا ہے کہ تمام عالم کے محدثین بین یدیہ کوچھوڑ دیں یہ کھلی ہوئی علامت مثل آفتاب روشن کے ہے کہ یہ قید بین یدیہ کی اختراع ابن اسحاق کا ہے ۔اگرقول سائب بن یزید کا ہوتا تو کوئی روایت کرتا۔

(۲۶) ثانیاً: افسوس آپ کی حالت زار پر کہ سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹانے کے لیےان کے دشمنوں کا دامن تھامااوراتنے گرے کہ تھانوی تو تھانوی سرا ولی کی تقلید کر گئے،اور وہ بھی صریح جھوٹ شدید افترا علی الائمہ میں۔ یہ اس نے کہا تھا کہ صحیحین میں بین یدیہ ہے،آپ کوتو کبھی صحیحین دیکھنے کا اتفاق ہوا نہیں،اس کی بات پر ایمان لے آئے۔

(۲۷) اور اتنی اپنی طرف سے ملائی کہ جب صحیحین کی متفق علیہ حدیث ہے تو ضرور تمام عالم کے محدثین نے روایت کیا ہوگا، مولوی صاحب یہ تو آپ کی ہستی علم اور اس پر مبارک شرعیہ میں دخل اور علوم الٰہیہ کے ایک امام مسلم سے الجھنا، اللہ حیا دے۔

(۲۸) ثالثاً: روایت حدیث میں بين يديه اور على باب المسجد دونوں کی ایک حالت ہے روایت ابن اسحاق میں **بين يديه** ہے۔تو على باب المسجد بھی ہے، اور اوروں کی روایت میں على باب المسجد نہیں تو **بين يديه** بھی نہیں، یہ آپ کا تفرقہ کہ تمام عالم کے محدثین نے **بين يديه** کو لیا اور على باب المسجد کو چھوڑ دیا، صریح جھوٹ ہے یا نہیں۔

(۲۹) قولہ: یہ قید علی باب المسجد کی اختراع ابن اسحاق کا ہے۔

اقول: اولاً: چلیے اب ابن اسحاق معاذ اللہ حدیث وضع کرنے والے ہوگئے۔بے شک آپ کا منہ اسی قابل ہے کہ بخاری مسلم، ابوداؤد اور ان کے اساتذہ و اساتذۂ اساتذہ اور جمہور اکابر ائمہ حدیث وفقہ جسے حدیث میں امام ثقہ جانیں اور آپ اسے واضع حدیث ٹھہرائیں۔اور پھر آپ کی مان لی جائے تو بھی تعصب آدمی کی آنکھیں پھوڑ دیتا ہے۔کون سی؟ یہ چہرے پر کسی چتلی کوڑیاں نہیں، وہ جنھیں قرآن عظیم میں فرمایا: ﴿فإنها لا تعمى الأبصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور﴾ کہیے آپ نے جو کورانہ حدیث "**حبك الشيء يعمي ويصم**" پڑھی تھی۔آیت قرآنیہ سے اس کا پورا جواب پایا یا ہنوز کسر باقی ہے۔

(۳۰) ثانیاً: ائمہ محدثین میں وہ کون سا ہے جس کے لیے بعضِ افراد نہیں۔اسی آپ کی دلیل سے وہ سب وضّاع ٹھہریں گے۔

(۳۱) آپ نے کبھی سنا ہو کہ امام مالک کے افراد میں تو خاص کتاب تصنیف ہوئی ہے۔وہ بھی معاذ اللہ وضاع ہوئے۔آپ سمجھے ہوں گے کہ اس میں آپ نے خوب حق نمک نبھایا کہ اہل سنت کے تمام ائمہ کو وضّاع کذّاب اور ان کی تمام کتب حدیث کر مردود

وخراب بنایا، اور ذرا کھل کر بولیں گے تو بیس کے پچیس ہو جائیں گے۔

مگر حضرت یہ خبر ہے کہ افراد والے سبھی مذاہب میں ہیں۔ تو آپ نے تو کسی کی بھی لگی نہ رکھی، دیکھیے کہیں بیس کے تین ہی نہ رہ جائیں۔

(۳۲) قولہ: اگر قول سائب بن یزید کا ہوتا تو کوئی نہ کوئی روایت کرتا۔

اقول: اولاً: مولوی صاحب یہ اعتراض بھی آپ نے دیوبندی تقلید سے سیکھا مگر اس کا رد جو وقایۃ اہل السنہ'' میں ہے نہ دیکھا وہ تو ٹھہر ہی گئی ہے کہ:

ع چشم بند، گوش بند، وادہن

(۳۳) ثانیاً: جناب نے ہزارہا احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ افراد ہیں مطلقاً رد کر دیں، حق یہ کہ ابن سینا کی فضلہ خواری کے سوا جناب کو علوم الٰہیہ کی ہوا بھی نہ لگی۔

(۳۴) قولہ: شراح حدیث نے اس کا تعاقب کیا ہے۔

اقول: اذان من اللہ کی ضربیں کیا پرانی ہوگئیں۔ اللہ حیا دے۔

(۳۵) قولہ: باستثنائے چند مالکیہ۔

اقول: اولاً: خود مذہب صاحب مذہب امام مالک جس پر جمہور ائمہ مالکیہ ہیں اور وہی ان کے یہاں مذہب مصحح ہے، اسے یوں کہتے ایک حیادار کو شرم چاہیے تھی، دیکھو اذان من اللہ۔

(۳۶) ثانیاً: ابھی ابھی تو مجمع علیہ سب خلف وسلف کا کہہ چکے تھے اب ایک جماعت مالکیہ کا استثنا ہوتا ہے، مگر عبد الغفار خان را حافظہ نباشد۔

(۳۷) قولہ: اول تو اس کے عادل ہونے میں کلام ہے۔

اقول: یہاں سے مولوی صاحب ایک کالم سے زیادہ اپنی چہارم تحریر کا امام ابن اسحاق پر تبرا اور ان کی حدیث صحیح کہہ دیں۔ سیاہ فرماتے ہیں: اور حیا یہ کہ وقایۃ اہل السنہ بھی اپنے پیش نظر بتاتے ہیں، جس میں صفحہ ۷ سے صفحہ ۴۳ تک پورے ۳۷ صفحوں میں ان تمام

خیالات باطلہ کے وہ قاہر رد ہیں کہ پتھر پر پڑتے تو سرمہ کر دیتے، مگر شاباش ان صاحبوں کے جگر کو کہ اس پر کچھ اثر نہیں۔ مولوی صاحب کیا میں وہ اوراق پورے یہاں لکھدوں، یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہے، ہم لاکھ بار چھاپیں آپ قاہر ردوں کو کبھی ہاتھ نہ لگائیں، اور وہی مردودات سامنے لائیں، لہذا مہربانی فرما کر آپ وقایہ ہی پھر دیکھیے، مگر ایمان کی آنکھ سے وقایہ ہی دیکھیے اگر چہ پتھر کے دل سے مگر نہ أشد قسوة سے۔ افسوس ہزار ہا قاہر ردسننا اور ایک کا جواب نہ دینا اور پھر وہی مردودات حاضر لانا، اس مسئلہ اذان میں تمام مخالفین کی اسی پر گزر ہے، اللہ حیا دے، اللہ انصاف دے۔ اس بحث میں طول فضول ہے۔ ہاں مولوی صاحب نے کہیں کہیں اپنی تازہ علم دانی ظاہر فرمائی ہے اس پر چار حرف مناسب:

قولہ: تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں:

اقول: عبارت تقریب کے ترجمہ میں مولوی صاحب نے اپنی وہ فضیلت دکھائی ہے کہ علم حدیث کا ابجد خواں بھی جان لے کہ جناب کو اس طرف ہو کر گزرنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا، مثلاً:

(۳۸) یہ تو ہلکی سی ہے کہ صدوق کا ترجمہ سچا۔ یا تو مولوی صاحب کو صادق وصدوق میں امتیاز نہیں۔ یا قصداً آدھا ترجمہ رکھ چھوڑا کہ امام ابن اسحاق کی جتنی تعریف گھٹ سکے۔

(۳۹) کمال حدیث دانی یہ کہ ''صدوق کے واسطے عدالت لازم نہیں''۔ مولوی صاحب نے فقط لغوی معنی پڑھے اصطلاح ائمہ سے آگاہ ہوتے تو ایسا نہ فرماتے۔ کیوں مولوی صاحب ایمان سے کہنا یہ ائمہ کبھی فاسق کو بھی صدوق سے موصوف کیا کرتے ہیں۔

(۴۰) افسوس آپ نے تقریب کا پہلا ہی ورق کسی سے پڑھ نہ لیا۔ صدوق کے لیے عدالت نہ لازم ہو تو یا اس میں کوئی امر قادح معلوم ہے۔ یا کچھ معلوم نہیں بلکہ مجہول ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے تقریب میں جہاں انھوں نے راویوں کے بارہ درجے مقرر کیے ہیں۔ سب میں اعلیٰ درجہ صحابہ کرام اور سب میں بدتر وہ جسے کاذب واضع کہا گیا۔ ان میں

صدوق کو چوتھے درجہ میں رکھا ہے، اور جس میں کوئی قادح معلوم ہے اسے دسویں میں اور مجہول کو نویں میں بلکہ مستور بھی ساتویں درجہ میں ہے کہ صدوق سے تین درجے گرا ہوا ہے مگر جناب ان علوم کو کیا جانیں۔

(۴۱) لطف یہ کہ "الصدوق قد یکذب" سبحان اللہ حدیث الٹ دینے کا منصب بھی جناب کو حاصل ہے حدیث تو یوں ہے کہ: الکذوب قد یصدق. یہ آپ کی" الصدوق قد یکذب" کس کا قول ہے۔ کیا جو کبھی کبھی جھوٹ بولے عرفاً اسے صدوق کہتے ہیں۔

(۴۲) عرف درکنار ائمہ اسے بہ لفظ صدوق وصف کریں گے۔

(۴۳) کیا آپ تقریب کا پہلا ورق کبھی نہ پڑھیں گے اور ہمیشہ یوں ہی اوندھے چلیں گے۔ درجات ملاحظہ ہوں: صدوق درجہ چہارم میں ہے، اور متہم بالکذب گیارہویں میں، اور کاذب تو خود سب سے نیچے بارہویں میں ہے، مگر جناب کو تو ان علوم سے اجتناب ہے۔

(۴۴) سب سے عجب قہر یہ ہے کہ " رمی بالتشیع "کا ترجمہ کیا" چھوڑا گیا بوجہ شیعہ ہونے کے" چلیے امام ابن اسحاق متروک ٹھہرے۔ مولوی صاحب آپ کو ایک ورق تقریب کہیں پڑھ لینا ایسا دوبھر ہے ملاحظہ ہو: رمی بالتشیع وغیرہ کو پانچویں درجہ میں رکھا ہے، اور متروك کو دسویں میں۔

(۴۵) معلوم ہے کہ صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے تعلیقاً اور مسلم میں ان سے استشہاداً متعدد روایت کیں تو آپ کے لکھے صحیح بخاری میں متروکین سے تعلیقیں ہیں، اور صحیح مسلم میں متروکوں سے استشہاد ہیں۔

(۴۶) تعلیق واستشہاد کیسے صحیحین کے رواۃ اصول مسانید میں کتنے سوا ایسے نکلیں گے کہ تقریب وغیرہ میں ان کو رمی ھکذا کہا گیا۔ مولوی صاحب نے صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں ردی کر دیں۔ کیا جناب حلف سے کہہ سکتے ہیں کہ کبھی علم حدیث کی ہوا بھی جناب کو

لگی ہے۔

(۴۷) اللہ عزوجل نے قذف کی دو صورت ارشاد فرمائی ہیں: ایک وہ کہ شوہر اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائے، اسے فرمایا: ﴿والذین یرمون أزواجهم﴾ [سورۃ النور: ۶] معنی آپ کے نزدیک یہ ہوں گے کہ جولوگ اپنی بیبیوں کو چھوڑیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو مرد وعورت لعان کریں۔ مولوی صاحب فقہ میں کنز ہی پڑھ لیتے تو اچھا تھا۔

(۴۸) دوسرے وہ کہ غیر شوہر کسی پارسا مسلمان عورت کو قذف کرے اسے فرمایا: ﴿والذين يرمون المحصنٰت المؤمنٰت الغٰفلٰت﴾ اس کے معنی اپنے طور پر کہیے تو۔ جو لوگ مسلمان پارسا بے خبر عورتوں کو چھوڑتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ فرمایے یہ کون سا چھوڑنا ہے، جس پر لعنت کا حکم ہے، اللہ عقل دے، حیا دے۔ جناب مولوی صاحب! اس دم اس حال پر علوم دینیہ میں جناب کو دخل دیتے شرم چاہیے تھی۔

(۴۹) مولوی صاحب آپ نہیں جانتے کہ رمی بمعنی طعن ہے۔ شرح قاموس ملاحظہ ہو۔ تو عبارت تقریب کے یہ معنی تھے کہ ان پر تشیع وقدر کا طعن کیا گیا، نہ یہ کہ معاذ اللہ وہ بوجہ تشیع وقدر متروک ہیں۔

(۵۰) پھر طعن کیے جانے سے نہ اس طعن کا واقع میں ثابت ہونا ضرور، نہ اس سے راوی کا مجروح قرار پانا لازم۔ آنکھ کھول کر تقریب ہی دیکھیے تو آپ کو اول کی بھی نظیریں ملیں گے، "رمی ولم یثبت" طعن کیا گیا اور اس کا ثبوت نہیں۔ اور ثانی کے امثلہ تو نہایت کثرت سے پایئے گا۔

(۵۱) صاحب تقریب کی ہدی الساری مقدمہ صحیح بخاری دیکھ سکیے۔ تو اس میں صحیح بخاری کے ان کثیر راویوں کی فہرستیں پایے گا جن پر تشیع کا طعن۔ قدر کا طعن۔ خروج کا طعن اور کاہے کاہے کے طعن ہوئے ہیں، غرض آپ تو اذان اندر کرانے کے لیے اہل سنت کی صحاح ستہ وحدیث وفقہ سب کو مٹانے بیٹھ گئے۔ سچ ہے: حبك الشــــيء

يعمى ويصم ۔(۱)

(۵۲) آگے فرماتے ہیں: ''وجہ دوم شیعہ کے یہاں تقیہ دھوکہ دہی کے واسطے کافی ووافی ہے''۔ مولوی صاحب وقایہ میں کتنا پڑھا دیا تھا کہ اصطلاح ائمہ میں تشیع ورفض میں ایسا ہی بل ہے، جیسا علم دین اور جناب کی اس تحریر میں مگر سب کچھ دیکھ کر انجان بننا عوام کو دھوکہ دہی کے واسطے کافی ووافی ہے۔

(۵۳) مولوی صاحب وجہ اول وہ تھی کہ امام ابن اسحاق کے عادل ہونے میں کلام ہے، اور اس وجہ دوم کا حاصل کیا کچھ اور ہوا۔ مولوی صاحب ابھی کچھ دنوں پڑھ لیا ہوتا۔

(۵۴) "يحتمل کہ جو محدثین ابن اسحاق کی تعدیل کرتے ہیں انھوں نے ظاہر حال سے دھوکا کھایا'' کیا اسی طرح جیسے مصنف ''اذان من اللہ'' نے جناب کے نام نامی کے ساتھ مولوی کا لفظ سن کر آپ سے مخاطبہ فرمایا، مولوی صاحب اب امام بخاری اور ان کے اساتذہ وساتذۂ اساتذہ وجماہیر ائمہ محدثین وامام ابو یوسف وامام طحاوی وامام ابوحنیفہ ان سب کی تحقیق اور پرکھ پر کیا اعتماد رہا۔ یہ سب کے سب دھوکا کھاتے اور باطل کو حق کر دکھاتے ہیں، پھر مذہب اہل سنت کی کیا ٹھیک۔

(۵۵) عجب کہ اب مولوی صاحب اپنی يحتمل سے توثیقات اجلہ ائمہ کا رد فرمانے لگے۔ امام بخاری اور ان کے اکابر اور ہزاروں ائمہ کا جزم قبول نہیں اور آپ کی يحتمل مقبول، أي سبحان اللّٰه۔

(۵۶) آپ تو فرعی مسئلہ میں فتوائے دوم میں: من شذ شذ في النار۔ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں کہ جمہور ائمہ محدثین وجمیع ائمہ حنفیہ توثیق ابن اسحاق پر ہیں، آپ اس کا خلاف کر کے اور ان سب کو دھوکا یافتہ باطل کوش ٹھہرا کر شذ في النار۔ ہوئے یا نہیں۔

---

(۱) [سنن أبي داؤد: باب في الهوى، ۴/۳۳۴]

(۵۷) ''جو اس کے خبث باطن سے واقف تھے انھوں نے جرح کیا'' مولوی صاحب یہ آپ نے الٹا تقریر کیا، امام بخاری کے استاذ امام ابن المدینی تو جارح ابن اسحاق کو فرماتے ہیں انھیں ابن اسحاق کا حال معلوم نہ تھا، آپ کی اسی تقریب والے ہدی الساری میں فرماتے ہیں: جس نے ابن اسحاق پر جرح کی جب سبب بتایا ناکافی پایا۔

(۵۸) مولوی صاحب دھوکے دینا کچھ روافض سے خاص نہیں، اسی مسئلہ اذان کو دیکھیے کیسے بڑے بڑے سنی بننے والے عوام کو کیسے کیسے دھوکے دے رہے ہیں، ہر شخص کہ متعدی ادعائے علم و روایت حدیث ہو، اپنا ظاہر بنایا ہی چاہے۔ تو ہر مجروح میں آپ کی یہی تقریر جاری ہوگی کہ تعدیل والوں نے ظاہر حال سے دھوکا کھایا اور جو خبث باطن سے واقف تھے انھوں نے جرح کی تو مطلقاً جرح معتمد ہوگئی۔ اور بخاری و مسلم و ہر کتاب حدیث ردی۔

(۵۹) قولہ: جناب مولانا صاحب وقایہ میں اس کی قدریت نہ اٹھا سکے۔

اقول: مولوی صاحب وقایہ میں طعن قدریت کے تین جواب موجود ہیں۔ مگر جناب کو کچھ نظر ہی نہ آئے تو اس میں وقایہ راچہ گناہ۔

(٦۰) قولہ: یہ مجبوراً لکھ گئے۔ **وبالجملة هو مختلف فيه**۔

اقول: اولاً: کیا یہ وقایہ کا اپنا کلام ہے۔ جناب اردو عبارت بھی دس پانچ بار غور سے پڑھ لیا کیجیے۔

(٦۱) ثانیاً: مختلف فیہ ہونا کیا جرم ہے۔ آپ نے ائمہ دین اور بالخصوص امام محقق علی الاطلاق کا فتح القدیر میں ارشاد نہ سنا کہ مختلف فیہ کی حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں۔

(٦۲) ثالثاً: کیا اسی عبارت کا تتمہ یہ نہ تھا: وهو حسن الحديث، ابن اسحاق کی احادیث حسن ہیں۔ اسے جناب اڑا گئے جس سے آپ کی مجبوری کھلتی۔ اگر دن کو آفتاب نظر نہ آئے تو ایک افسوس اور قصداً چھپایا جائے تو ہزار۔ **ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم**۔

(۶۳) قولہ: تدلیس اٹھانے میں کوشش کی، یہ ثابت کیا کہ سماع ابن اسحاق کا ثابت ہے زہری سے، ہم اس کے منکر نہیں۔

اقول: مولوی صاحب آپ نے اپنے عوام کو کیا بالکل اندھا سمجھ لیا کہ جیسا چاہیے دن کو رات بتایے، وہ آپ کی مان لیں گے۔ وقایہ میں ۳۶ سے ۴۱ تک ۵ صفحہ کامل طعن کے رد میں ہیں۔ ایمان سے کہنا کیا ان کا یہ حاصل ہے کہ زہری سے ابن اسحاق کا سماع ثابت ہے لہذا تدلیس نہیں، افسوس کہ اندر کی اذان باہر کے دین و دیانت سب پر نماز جنازہ پڑھ جائے۔

(۶۴) قولہ: ابن الہمام عبد اللہ بن زید کی حدیث میں ابن اسحاق کی تدلیس اٹھانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

اقول: مولوی صاحب اتنی بہ کف چراغی۔ امام ابن الہمام تو ذہلی کا قول نقل فرماتے ہیں۔ آپ کو خود اپنے نقل فرمائے ہوئے الفاظ بھی نظر نہیں آتے کہ: قال ابن خزیمة سمعت محمد بن یحییٰ الذھلی یقول۔ ابن خزیمہ نے کہا میں نے ذہلی کو یوں کہتے سنا۔

ذہلی انھیں متاخرین محدثین میں ہیں جو حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ و جمہور ائمہ کے خلاف حدیث مرسل کو نہیں مانتے۔ تو ان کا یہ قول کہ ہمارے امام کے خلاف ہے حنفی پر کیا حجت ہے۔ پھر امام ابن الہمام اگر حدیث کی صحت بہ طور محدثین متاخرین بھی ثابت کرنے کو ان میں کسی کا قول نقل کریں تو کیا وہ امام ابن الہمام کا اپنا قول ہو گیا۔ اللہ عقل دے۔

(۶۵) قولہ: خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن الہمام و حلبی وغیرہ محققین کے نزدیک تدلیس قابل اعتبار نہیں۔

اقول: اولاً: مولوی صاحب اذان بیرون مسجد اگر بہ فرض غلط خلاف سنت بھی ہو تو کھلے افترا و بہتان سخت کبیرہ شدیدہ ہیں۔ کیا وقایہ میں آپ کو کھول کر نہ دکھا دیا تھا کہ مدلس کا عنعنہ باجماع ائمہ حنفیہ مقبول ہے۔ کیا ابن الہمام و حلبی حنفی نہیں کیا۔ حنفیہ کو آپ محقق نہیں

جانتے۔ خدا شرم دے۔

ثانیاً: اسی بیان میں اس سے پہلے اس کے متصل آپ نے امام ابن الہمام کا یہ ارشاد نہ دیکھا کہ در بارہ اذان حدیث دار قطنی بسند منقطع عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کی، پھر اس سند کا منقطع ہونا بتایا کہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت عبد الرحمٰن کہ ان سے راوی ہیں سال دو سال کے تھے تو ان سے حدیث کیوں کر سن سکتے ہیں، بایں ہمہ فرمایا: **ھذا عندنا حجة بعد ثقة الرواۃ**۔ جب راوی ثقہ ہوں تو سند منقطع ہمارے نزدیک حجت ہے۔ سبحان اللہ جن کے نزدیک وہ سند حجت ہے جس میں راوی کا نہ سننا یقیناً معلوم ہے، وہ مدلس کے عنعنہ کو جس میں نہ سننے کا فقط ایک احتمال ہے کیوں کر رد کر سکتے ہیں۔ فرمایئے یہ جناب نے آدھی عبارت چھپا کر صریح خیانت فرمائی یا نہیں؟

(۶۷) ثالثاً: علامہ حلبی نے اس سے بھی زائد فرمایا، اسی حدیث کا منقطع ہونا بیان کر کے فرمایا: **وھذا عندنا وعند الجمھور حجة بعد ثقة الرواۃ** ۔ یعنی راوی ثقہ ہوں تو حدیث منقطع ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔ کیوں مولوی صاحب یہ کیسی بھاری خیانتیں ہیں۔ مولوی صاحب آپ نہ شرمائیں یہ حرکات آپ کی نہیں تعصب ونفسانیت کا خدا برا کرے۔ یہ ان کے کوتک ہیں۔

(۶۸) قولہ: ابن الہمام وحلبی وغیرہم فرماتے ہیں کہ مبتدع اگر محکوم بہ کفر ہے جیسے قدری اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

اقول: اولاً: وقایہ دیکھیے! یہی امام ابن الہمام کس زور شور سے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق ثقہ ہے، ثقہ ہے۔ اس میں ہمیں اور محققین اہل حدیث کو کچھ شک نہیں۔ اور فرماتے: ابن اسحاق کا ثقہ ہونا ہی نہایت روشن حق ہے۔ اب ابن اسحاق قدری نہیں۔ جب تو آپ کی ساری تحریر برباد اور اگر قدری ہیں تو کیا امام ابن الہمام ایک محکوم بہ کفر کو دین الٰہی میں ثقہ ثقہ یقینی بتا رہے ہیں۔ اب آپ کے نزدیک ابن الہمام خود کیا ہو گئے۔

(۶۹) ثانیاً: بخاری و مسلم دیکھیے، آپ کے کتنے رواۃ کثیر پر طعن قدر ہے۔ پہلے تو صحیحین کے روایوں کو متروک ہی ٹھہرایا تھا اب کافر و محکوم بالکفر بنادیا۔ یہ تیس روپے خدا جانے آپ کو کس حال تک پہنچائیں گے۔

(۷۰) ثالثاً: تقریب کا پہلا ورق آپ نے پڑھا نہ پڑھیں، ملاحظہ ہو جس پر قدر کا طعن ہے اسے پانچویں درجہ میں رکھا اور جس میں کوئی قادح بتایا گیا اسے دسویں میں۔ تو قدر کا طعن ائمہ حدیث کے نزدیک عدالت میں بھی خلل انداز نہیں نہ کہ معاذ اللہ کفر۔

(۷۱) قولہ: نہیں ہے ابن اسحاق مگر ایک دجال۔

اقول: اولاً: حنفیہ اپنے اماموں پر غفار خانی چوٹ دیکھو! ابن اسحاق امام ابو یوسف کے استاذ امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں، ان کو یہ دجال بنایا چاہتے ہیں بلکہ کافر محکوم بالکفر۔

(۷۲) ثانیاً: وقایہ میں اس کے بھی مفصل رد تھے مگر نابینائی کچھ دیکھنے بھی دے، ان میں مولوی صاحب کو کھول کر دکھادیا تھا کہ امام مالک سے یہ قول ثابت نہیں، اور بالفرض ثابت ہو تو انھوں نے رجوع فرمایا، وغیرہ وغیرہ۔ ان کے چھ رد ائمہ اکابر سے دکھا دیے تھے۔ مگر دجل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ حق کو دیکھ کر چھپائے اور اندھوں کو اوندھی سمجھائے۔

(۷۳) قولہ: کہیں کسی نے قید علی باب المسجد کی نہ لگائی۔

اقول: سلامۃ اللہ لاہل السنۃ دیکھیے کہ حواس ٹھکانے آئیں، کس نے کہا ہے کہ خصوصیت باب مسنون ہے، بلکہ منبر کی محاذات اور مسجد سے باہر یہ دونوں قیدیں صاف صاف کتب ائمہ میں دکھادیں، مگر ہزار سے ایک نہ سننا اور چیخ پکار بدستور۔ اس کا کیا علاج۔

(۷۴) ثانیاً: آپ کے مشائخ سے زمخشری نے ردالمحتار وغیرہ میں اس کے مشائخ مذہب سے ہونے کی تصریح ہے۔ اس کی کشاف دیکھیے اس میں علی باب المسجد موجود ہے۔

(۷۵) ثالثاً: اصل بات یہ ہے کہ ائمہ نے بین یدیہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی

باب المسجد کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا کچھ تخصیص اذان جمعہ کی نہ تھی، لہذا اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ: لایؤذن في المسجد۔ تاکہ تمام اذانوں کو شامل رہے، خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا۔ رہا بین یدیہ وہ اس اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا، لہذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر فرمایا، ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے دوسرا نہیں پاتے اپنی جہالت یا کم فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ علما نے ان دونوں قیود سے بین یدیہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے: لایؤذن في المسجد۔ دکھاؤ اور نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں عام اذانوں کا ہے۔ تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا، نہ کہ ایک ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان مسجد میں نہ ہو، عصر کی نہ ہو، جمعہ کی نہ ہو۔ اسے وہی طلب کرے گا جو محض نافہم ہے، یا نراہٹ دھرم۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی بیخ کن ہے۔ وللہ الحمد۔

(۷٦) اب یہاں سے آخر تک مولوی صاحب وہ کالم اسی بین یدیہ وتوارث میں سیاہ فرماتے ہیں۔ ان خرافات کے ردصدہا کر دیے، بارہا کر دیے، مگر ان کی انوکھی حیا کا کیا علاج، اول وآخر تک جو عبارتیں مبسوط وعینی وحمیدیہ کی نقل کیں اور فتاوے جواہر مجمع البرکات ومعدن کے نام گنائے اور آخر میں بارہ اور بڑھائے ان سب سے استدلال وہی جہل وہزل وخرط القتاد ہے۔ مگر خدا حیا دے اسی پر یہ دوں کہ ہم نے ایک سو اسی (۱۸۰) عبارات نقل کی ہیں۔ اور اپنی دوسری تحریر کو کہا کم سے کم پانچ چھ سو روایات ہوں گی۔ سب کا حال کھل گیا کہ تین کانے کے سوا کچھ نہیں، آپ نے سب میں چن کر بانگی کو یہ تین عبارتیں پیش کیں جن میں وہی بین یدیہ اور عند اور توارث ڈھاک کے تین پات باقی آپ کی چھ سو یا چھ لاکھ ان سے بھی گری ہوں گی۔ افسوس یہ حضرات اپنی ہٹ اپنی سخن پروری سے کچھ کہے

جائیں۔کیا اور کوئی مسلمان بھی اتنا انصاف کرنے والا نہ رہا کہ اگر ایک ذراسی روایت کہیں پاتے کہ یہ اذان خطبہ داخل مسجد ہونا سنت ہے تو کس دن کے لیے اٹھار کھتے۔ چار طرف دوڑے، ہاتھ پاؤں پھٹپھٹائے، مہینوں کتب خانے چھانے مگر ایک حرف نہ ملا۔ چھ سو سنائیں اور ایک آدھی چہارم نہ لائیں۔ خدا حیا دے، خدا حیا دے خدا حیا دے، ہزار بار کی ردکی ہوئی مہملات کی طرف کہاں تک توجہ ہو، لہذا یہاں بھی چار حرف پر ختم کریں۔

(۷۷) قولہ: کوئی عاقل یہ نہ کہے گا کہ: علی المنبر ضد علی باب المسجد کی نہیں۔

اقول: کیا آپ وہی مولوی عبد الغفار خان ہیں جنھوں نے رام پوری دوسری پر الجواب هو الصواب لکھ کر مہر چپکائی ہے؟ کیا اس میں نہ تھا کہ علی بمعنی عند ہے؟ کیا اس میں نہ تھا کہ اذان منبر و دروازہ کے وسط میں تھی، لہذا عند المنبر و علی باب المسجد دونوں صحیح ہیں۔کیا آپ اس کے لکھنے تک عاقل تھے، یا لا یعقل۔

(۷۸) قولہ: مولانا صاحب نے بین یدیه کے معنی اپنی طرف سے گھڑے کہ بین یدیه کے معنی سامنے کے ہیں۔

اقول: اولاً: آہا آج یہ راز کھلا کہ آیات قرآنیہ کے ارشاد فرمائے ہوئے معنی کو مولوی صاحب کیوں نہیں مانتے۔ شاید مولوی صاحب کو یہ خیال ہے کہ قرآن مجید جناب مولانا صاحب کا گڑھا ہوا ہے، جب تو اس کے ارشاد فرمائے ہوئے معنی کو مولانا صاحب کے گڑھے ہوئے بتاتے ہیں۔

(۸۰) ثانیاً: خیر قرآن مجید کو یوں سمجھے ہوں اس لیے کہ اشتغال فلسفہ کے سبب اس کے یک معنی کا اتفاق نہ ہوتا ہو، مگر حق نما فیصلہ میں بین یدیہ کے معنی صحاح جوہری و قاموس و مختار الصحاح و تاج العروس و مجمع البحار وغیرہا کتب معتمدہ لغت اور معالم التنزیل و تفسیر خازن و تفسیر ابوالسعود و جلالین و عنایۃ القاضی و انموذج جلیل و تفسیر کرخی و فتوحات الٰہیہ کتب تفسیر سے ثابت کیے تھے۔ کیا یہ تمام کتب ائمہ و علما بھی آپ کے نزدیک مولانا

صاحب ہی کی گڑھی ہوئی ہیں، مولوی صاحب آنکھوں پر ٹھیکری کی کوئی حد بھی ہو۔

(۸۱) یہ مخالف لغت ہے۔

اقول: اگر کوئی لغت غفار اللغات آپ نے گڑھا ہو (جس کے معنی لغت کا چھپانے مٹانے والا) تو اس کے مخالف ہو، مگر صحاح وقاموس ومختار وصراح وتاج ونہایہ ومجمع وغیرہا کتب معتمدہ لغت کا ضرور موافق ہے۔

(۸۲) قولہ: مخالف محاورہ فقہا ہے۔

اقول: سچ کہنا لغت تو آپ نے رام پور کی غیاث اللغات سے جانا ہوگا، فقہا کا محاورہ کہاں سے معلوم فرمایا۔ وہ آپ کے رام پور میں کون سے تازہ فقہا ہوئے ہیں جنھوں نے قرآن مجید وحدیث صحیح وصحابہ وائمہ مفسرین وشراح حدیث وائمہ لغت سب کے محاورات کو منسوخ ورد کر کے اپنا نیا محاورہ گڑھا ہے۔

(۸۳) قولہ: بین یدیہ لفظ مرکب ہے۔

اقول: مولوی صاحب آپ کو علم کی بدہیات نظریات ہیں۔ آپ کیا جانیں کہ اجزائے ترکیبی کے معنی کچھ ہوتے ہیں اور محاورات میں مرکب کے معنی کچھ۔

(۸۴) قرآن مجید کا آپ کو شغل نہیں ورنہ تصنع علی عینی میں اپنی یہی منطق لے کر چلتے کہ علی عینی لفظ مرکب سے عمل کے معنی پر بلکہ فتوائے دوم کے طور پر کے اوپر چڑھ کر اور عینی کے معنی میری آنکھ تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تاکہ اے موسیٰ تو بنایا جائے میری آنکھ کے اوپر چڑھ کر حالاں کہ علی عینی کے صرف اتنے معنی ہیں کہ میرے سامنے۔ میرے پیش نظر۔ یوں ہی بین یدیہ کے ترکیبی معنی ہیں دونوں ہاتھوں کے بیچ میں جو حقیقۃً انسان کے سینہ وکمر کی حالت ہے جو آپ لے رہے ہیں۔ اور جو ہرگز نہ بنے گا جب تک مؤذن خطیب کی چھاتی پر نہ چڑھے بلکہ جب بھی بننا دشوار ہے۔ اور محاورہ میں اس کے معنی ہیں سامنے محاذی پیش رو۔

(۸۵) قولہ: معنی حقیقی بین یدیہ کے درمیان دونوں ہاتھوں کے ہوئے، جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو سجدہ گاہ بین یدیہ ہوتی ہے۔

اقول: زندہ باش کیا خوب سمجھے ہو کہ باقل کی روح پھڑک گئی ہوگی۔ سبحان اللہ مصلی کے بین یدیہ گزرنا منع ہے یعنی جب مصلی سجدہ میں دونوں ہاتھ رکھے اس وقت سجدہ گاہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتی ہے، خاص اس درمیانی جگہ میں گزرنا منع ہے۔ کیوں کہ حقیقی معنی بنانا ہیں۔ سچ ہے: **حبک الشیء یعمی ویصم۔**

(۸۶) قولہ: امام محمد بین یدیہ کی تفسیر ساتھ سجدہ گاہ کے کرتے ہیں۔

اقول: اولاً: سجدہ گاہ آپ کو خوب یاد رہی، حق نما فیصلہ اور اب آپ پر تازہ نازل سلامۃ اللہ لاہل السنہ دیکھیے وہ بتادے گا کہ یہاں موضع سجود سے کیا مراد ہے، اور یہ کہ یہاں اس پر دلالت کیوں ہے اور یہ کہ وہی معنی بین یدیہ موضع سجود بلکہ اس سے بھی اقرب بلکہ اتصال حقیقی سے آٹھ ہزار برس کی راہ کے فاصلہ تک پھیلے ہوئے ہیں، مگر آپ سب صاحبوں کو دیدہ نادیدہ اور شنیدہ ناشنیدہ کی بیماری لگ گئی ہے، اس کا کیا علاج ہو۔

(۸۷) ثانیاً: آپ نے فتوائے دوم میں تو آیت کریمہ: ﴿وجعلنا من بین أیدیهم سدا﴾ [سورة یسین: ۹] سے **بین یدیه** کے معنی اتصال حقیقی کے لیے تھے، اب یہ آپ کی سجدہ گاہ تک کیوں کر پھیل گئے۔

(۸۸) ثالثاً: اس میں پچاس گز کے فاصلہ تک گنجائش رکھی تھی (دیکھو سلامۃ اللہ) اب آپ کی سجدہ گاہ تک کیوں کر سمٹ آئی۔

(۸۹) مولوی صاحب اصل بات وہی ہے جو حق نما فیصلہ اور سلامۃ اللہ میں ارشاد ہوئی کہ بین یدیہ کے معنی خاص صرف محاذی و پیش نظر کے ہیں، اور یہ باختلاف مقام مختلف ہوتا ہے، نمازی کو حکم ہے کہ اپنے موضع سجود پر نظر رکھے تو اس کے پیش نظر وہی شی ہوگی جو موضع سجود میں گزرے۔

(۹۰) قولہ: ظہیریہ میں ہے: وهو موضع قدمه إلى موضع سجوده۔(۱)

---

(۱)[المحیط البرهاني في الفقه: الفصل التاسع عشر، ۱/۴۳۱]

اقول: ارے یہ آپ کی سجدہ گاہ پاؤں تک کیسے پھیل گئی؟ کیا جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو اس کے پاؤں بھی اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

(۹۱) قولہ: جب عمل معنی حقیقی پر ہوسکتا ہے، مجاز ساقط ہوتا ہے۔

اقول: اولاً: جبھی تو کہا تھا کہ آپ کے یہاں خطیب کی چھاتی کی خیر نہیں، کیوں کہ آپ اجزائے ترکیبی کے معنی لے رہے ہیں، یعنی خطیب کے ایک شانہ سے دوسرے تک جو فاصلہ ہے اس کے بیچ میں مؤذن کھڑا ہو تو اگر اس نے خطیب کی چھاتی پر بھی پاؤں جمائے تو حقیقۃً بین یدیہ نہ ہوا جب تک کہ خطیب کے سینہ میں دو طاق کھدوا کر اس میں مؤذن کے پاؤں گلا نہ دیے جائیں، خیر اسے یہ کہیے گا کہ اس پر عمل ہو نہیں سکتا تو بہت اچھا خطیب کے کندھوں میں دونوں کا بین بندھوائے کہ مؤذن ان میں پاؤں رکھ کر خطیب کے منہ پر کھڑا ہو کیوں کہ حقیقت پر عمل کرنا ہے۔

(۹۲) ثانیاً: آپ نہیں جانتے کہ حقیقت عرفیہ یہی محاذی و پیش رد ہے اور آپ کا اجزائے ترکیبی کی طرف دوڑنا محض نادانی وغلو۔

(۹۳) قولہ: جیسے بین یدیہ کے معنی جناب مولانا نے گڑھے اسی طرح توارث کے جھٹ بنالیے۔

اقول: بین یدیہ کے معنی کا حال سن چکے۔ مسلمان ہو کر قرآن عظیم کے ارشاد کو گڑھت کہہ دیا۔ اب توارث کی بھی سنیے! مولوی صاحب سنت متوارثہ کے جب وہ معنی نہیں جو جناب کے خصم نے تحریر کیے تو کیا سنت متوارثہ اسے کہتے ہیں جس کی آمد کا پتا زمانہ رسالت و عہد خلافت میں نہ ہو بلکہ ان میں اس کا خلاف ہوا ہو؟۔ زہے ملائی۔

(۹۴) قولہ: اشتہار میں لکھتے ہیں متوارث وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی میراث ہے۔ دیکھو کیسی مہمل عبارت ہے۔

اقول: مولوی صاحب مہمل کی کوئی دلیل بھی ہے۔ یا صرف اتنا کہ آئینہ میں اپنا ہی منہ سوجھتا ہے۔

(۹۵) قولہ: سب جانتے ہیں کہ: **العلماء ورثة الأنبياء**۔ علم میراث ہے۔

اقول: دیکھیے مولوی صاحب مہمل کی یہ صفت ہوتی ہے۔ کہیے اس جملہ کو رد میں کیا دخل ہوا بلکہ یہ تو اسی ارشاد اشتہار کی دلیل ہے کہ جب علم میراث انبیا علیہم الصلاۃ والثنا ہے تو متوارث مطلق وہی ہے کہ حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے موروث ہو، اور بعض بلکہ بہ فرض باطل کل کا ترک نافی توارث مذکور نہیں کہ موروث علم ہے اور علم وعمل میں فرق نہ کرنا جہل۔ شاید خلفائے راشدین کے ذکر پر چڑے ہوں کہ علم تو میراث انبیا ہے، خلفائے راشدین کا نام کیوں لے دیا۔ تو اول تو آپ کا فقرہ علم میراث ہے، اس کی شامت نہیں کرتا ۔ ثانیاً: خلفائے راشدین سے موروث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے موروث ہے، کہ ارشاد حدیث ہے: عليكم بسنتي و سنة الخفاء الراشدين عضوا عليها بالنواجد"(۱)۔

ثالثاً: جمعہ کی اذان اول آپ کے نزدیک متوارث ہے یا نہیں۔ اس کا توارث خلیفہ راشد سے ہے، یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ آپ اسی پرچہ میں امام عینی سے نقل کریں گے: بذلك جرى التوارث من زمن عثمان رضى الله تعالىٰ عنه ۔ بلکہ خود فتوائے دوم میں کہہ چکے ہیں۔ اذان ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اور اب تک اس کا توارث ہے۔

قولہ: مولانا عقل کے ناخن لواؤ۔

اقول: اذان من اللہ نے تو چون (۵۴) بار لے دیے تھے، کیا اتنی جلد پھر بڑھ گئے۔ ایسا ہے تو جناب اپنی عقل شریف کے لیے آٹھ دس لحم تراش نوکر رکھ لیں۔

قولہ: مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما گئے ہیں: حبك الشيء يعمى ويصم۔(۲)

---

(۱) [سنن ابن ماجة: باب اتباع سنة الخلفاء، ۱/۱۵]

(۲) [سنن أبي داؤد: باب في الهوى، ٤/٣٣٤]

اقول: ارشاد حدیث قطعاً حق ہے جس کی واضح وکثیر وروشن مثالیں اذان من اللہ وغیرہ میں ثابت کر دیں اور ابھی آپ کے اختراع پر آیت پڑھ چکا ہوں: ﴿ولكن تعمى القلوب التي في الصدور﴾[سورة الحج: ٤٦] اور ایک آپ ہی نہیں بلکہ رواج کے مارے سارے کے سارے مخالفین اندھے ہو رہے ہیں، حضرت شیخ مجدد الف ثانی آپ حضرات کے رواج رواج پکارنے کی تصویر اتار گئے کہ.....

اکثر علمائے ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند ومحوکنند ہائے سنت بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ می دہند ومردم را بدعت دلالت می نمایند۔

مگر آپ تو اپنی دھن میں پیران سلسلہ کو بھی بالائے طاق رکھ چکے ہیں۔

(۹۷) قولہ: ایسی محبت ابن اسحاق کی غالب ہوگئی ہے کہ اس کے قول کی وجہ سے ہر شی کی تاویل ہے۔

اقول: اولاً: آپ کو قول وروایت میں تمیز نہیں۔ یا باطل پرستی کی حجت ایسی غالب آ گئی کہ يعمى ويصم۔

(۹۸) ثانیاً: تاویلات باطلہ مطرودہ ملعونہ تو وہ ہیں جو آپ سارے کے سارے ارشاد حدیث علی باب المسجد میں بنا رہے ہیں۔

(۹۹) ارشاد فقہ: لا يؤذن في المسجد۔ میں دکھا رہے ہیں جن کو ہزار بار گھر تک پہنچا دیا مگر أعوذ بالله من الخبأة الطلعة۔

(۱۰۰) ثالثاً: اہل حق کے حق بیانوں کو کہ آیات کثیرۂ قرآن عظیم سے مؤید ہیں، محبت ابن اسحاق سے تاویل ٹھہرانا وہی مثل ہے کہ: رمتنی بدائها وانسلت۔ شاید (شاید نہیں بلکہ ضرور) آپ اللہ عزوجل کو بھی فرمائیں گے کہ ابن اسحاق کی محبت ایسی غالب ہوگئی تھی کہ جا بجا اس کی حدیث کی مؤید آیات، مخالف لغت ومخالف محاورات قرآن عظیم میں بھر دیں۔

رابعاً: توارث کے معنی کو تاویل کہنے کا حال ابھی کھلا جاتا ہے، غرض اہل حق کے کلام کو ناحق تاویل بتانا وہ جادو تھا کہ سر پر چڑھ کر بولا۔ اس کے مستحق یہی الفاظ تھے جو مولوی صاحب نے فرمائے کہ عقل کے ناخن لواؤ۔ نہ سمجھ کو دخل دیتے ہیں، نہ رجوع کتب مذہب کی طرف ہے، دیانت جائے، امانت جائے، مذہب جائے، کانوں کی روئی نکال کر آنکھیں مل کر ہوشیار ہو جایئے مگر مولوی صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ آئینہ میں دیکھ کر انھیں آئینہ کے وصف سمجھے، مولوی صاحب یہ ساتوں آٹھوں صفتیں آپ ہی کی امہات سبعہ ثمانیہ صفات ہیں جس کا حال اذان من اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، سلامۃ اللہ، وحق نما فیصلہ اور اب اس نفی العار سے روشن وللہ الحمد۔

(۱۰۱) قولہ: ابن الہمام توارث کے معنی لکھتے ہیں۔

اقول: مولوی صاحب تعصب کی پٹی عناد کے ٹینٹ آدمی کو یعمی ویصم کر دیتے ہیں، تین بیسی اور ساٹھ متخالف نظر آتے ہیں۔

اولاً اشتہار اہل حق میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابتدا کی تھی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی میراث ہے آپ نے جو امام ابن الہمام سے نقل کی اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انتہا کی کہ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیا، صاحب شرع سے بات ایک ہی ہوئی، آپ نہیں جانتے کہ ایسی ترتیب میں جدھر سے چاہے شروع کیجیے، حاصل ایک ہی ہوتا ہے، اور ان تعبیروں میں تخالف سمجھنے والا احمق نہیں مجنون کہلاتا ہے۔

(۱۰۲) ثانیاً: آپ اپنی ہی دیکھیے عبارت ابن الہمام نقل کر کے کہا: اسی طرح اذان خطبہ مسجد میں متوارثہ ہے، یعنی ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اور اسی تحریر میں اوپر لکھ چکے ہیں کہ ''زمانہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے إلی یومنا ھذا، چلی آتی ہے''۔ دیکھیے آپ نے ایک بار ترتیب ادھر سے لی کہ کلام ابن الہمام ہے اور ایک بار اوپر سے جو اشتہار اہل حق میں ہے۔ دونوں کا حاصل اگر ایک نہ تھا تو اب اپنی کہیے

کہ آپ نے توارث کے کون سے معنی جھٹ بنا لیے یا پٹ گڑھ لیے۔ مولوی صاحب! ایسی بدیہی باتوں میں کمال ڈھٹائی سے حق کی تکذیب کرنا اور اندھے عوام پر اندھیری ڈالنا کونسی دیانت، امانت، مولویت، انسانیت ہے، اللہ حیا دے۔

(۱۰۳) قولہ: اسی طرح اذان خطبہ مسجد میں متوارث ہے۔

اقول: چلیے ہاں یہ مسجد کے اندر آپ نے لی اپنے پہلوں سے، انھوں نے اپنے پہلوں سے، یہ دو چار پشتیں۔ سہی کیا اس سے توارث ہو جائے گا؟ اپنے ہی معنی توارث لیجیے کہ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیا صاحب شرع سے۔ بس اس کی دلیل چاہیے، یہی ہمیشہ آپ سے مانگی اور نہ دی، نہ دو، نہ دے سکو۔ جب صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسرداران جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کہ یہ اذان دروازہ مسجد پر ہوتی تھی تو فقط اپنا ناقص رواج دیکھ کر ٹھہرالینا کہ زمانہ رسالت وزمانہ صحابہ سے یوں ہی ہے، نہ فقط بے دلیل بلکہ صریح خلاف دلیل ہے، اس ہٹ دھرمی کا علاج نہیں۔

(۱۰۴) شیخ مجدد صاحب کی نہ سنی کہ آپ ہی جیسے علما کو فرماتے ہیں:

اکثر علمائے ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند ومحوکنندہائے سنت، بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بہ جواز بلکہ باستحسان آں فتوی می دہند ومردم رابدعت دلالت می نمایند الی قولہ ونمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست۔ تعاملے کہ معتبر ست ہماں ست کہ ازصدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ (إلی قولہ) وشک نیست کہ علم بہ تعامل کافۂ انام وبعمل جمیع قری وبلدان از حیط بشر خارج ست۔

فرمایے آپ سچے یا حضرت مجدد الف ثانی۔

(۱۰۵) قولہ: واذاصعد الامام (إلیٰ قولہ) اور یہی سنت متوارثہ ہے۔

اقول: یہاں مولوی صاحب نے عینی وحمیدیہ کی دو عبارتیں نقل کیں جن میں وہی بین یدیہ ہے، پھر بارہ کتابوں کے نام گنائے، اور فرمایا: ان روایات سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اذان خطبہ زمانہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یومنا ھذا، برابر مسجد میں ہوتی

چلی آئی ہے۔

اقول: ان روایات اور وہ ایک سواسی (۱۸۰) جو آپ بتا رہے ہیں اور پانچ سو چھ سو جن کے زبانی جمع خرچ آپ سنا رہے ہیں سب سے ثابت ہے کہ یہ اذان زمانہ اقدس سے منبر کے سامنے امام کے محاذی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ مگر یہ جو فرمایا کہ برابر مسجد میں ہوتی چلی آئی ہے، اسی کا ثبوت درکار ہے، یہ مسجد میں ان روایات کے کس لفظ کا ترجمہ ہے، یہی تقاضا اول روز سے آپ پر سوار ہے، آپ نہ اس کا جواب دیں نہ اپنی ہانک چھوڑیں، اس کا کس کے پاس علاج۔

(۱۰۶) ہاں ہاں شرم، حیا، دیانت، امانت، ایمان، انصاف رکھتے ہو۔ تو پانچ سو، چھ سو نہیں، پانچ چھ ہی۔ پانچ چھ نہیں ایک ہی روایت صحیحہ معتمدہ میں صاف صاف یہ مضمون دکھا دیجیے کہ یہ اذان زمانہ رسالت سے آج تک برابر جوف مسجد کے اندر ہوتی چلی آئی ہے، اور جب یہ نہیں لا سکتے اور ہرگز ہرگز نہیں لا سکو گے، تو اللہ واحد قہار سے ڈرو اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وار نہ کرو۔

(۱۰۷) قولہ: اور یہی معمول یہاں سارے عالم کا ہے۔

اقول: اذان من اللہ ووقایۃ اہل السنہ وحق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ دیکھو اور کذب صریح سے توبہ کرو۔

قولہ: یہ مشتے نمونہ خروارہ ہے۔

اقول: بانگی کی تو یہ حالت تھی اس خرواری کی کیا بہتر کیفیت ہوگی۔

(۱۰۸) قولہ: ہم نے ثابت کیا ہے کہ اذان پنج وقتہ بھی مسجد میں مکروہ نہیں۔

اقول: اولاً: اب دل کی کہی یعنی ائمہ دین جو عام کتابوں میں برابر ارشاد فرما رہے ہیں کہ: **لایؤذن فی المسجد** ۔ مسجد میں اذان دینا منع ہے۔ **یکرہ أن یؤذن في المسجد** ۔ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ یہ محض غلط و باطل ہے، مسجد میں کوئی اذان مکروہ نہیں۔ اب اپنے فتوی دوم میں اذناب تصدیقات سے ذنب اخیر کی ریز یاد کیجیے کہ تقلید کا جو

اگر دن سے اتار کر الگ پھینک دیا۔ مبارک باشد۔

(۱۰۹) ثانیاً: آپ کو ابھی کتنے دن ہوئے کہ فتوائے دوم میں ایمان لا چکے ہیں۔ فقہ کی معتبر کتابوں میں اذان خطبہ کو اندر مسجد کے منع نہیں لکھا، اذان اول کی نسبت یہ حکم ہے۔ پھر فرمایا: فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصہ اور خزانۃ المفتین وغیرہ اور عالم گیریہ میں جو عبارت: لایؤذن فی المسجد، ہے وہ اذانہائے پنج گانہ کی نسبت ہے۔ پھر کہا: قنیہ میں نسبت اذان پنج گانہ کی لکھا ہے۔ پھر کہا: فتح القدیر کی عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ اذان اول بیرون مسجد۔

غرض اس وقت تک ایمان تھا کہ اذان پنج گانہ مسجد میں منع ہیں، مکروہ ہیں، اب کوئی نیا سر کرا آگیا کہ وہ حکم ائمہ سرے سے الگ تقلید کا جوا فقط اتار کر نہ پھینکا بلکہ بھٹی میں ڈال کر پھونکا، بلکہ برادہ کرا کر پھانکا، للہ انصاف۔ کیا یہی حق پرستی ہے۔

(۱۱۰) قولہ: چوں کہ ہمارے پاس یہ اشتہار آیا، دوسرے روز ہم نے اس کے مقابلہ میں اشتہار لکھا۔

اقول: اللہ حیا دے۔ تو مقابلہ کا نام لیتے شرمایے۔ قطع نظر ان اوصاف جمیلہ بلکہ آپ کی امہات سبعہ ثمانیہ کے جو ان سطور میں ظاہر فرمائیں، وہی مردود باتیں پیش کیں، دیوبندیوں کی تقلیدیں لیں، ائمہ حنفیہ کی تقلید کو دشنامیں دیں۔

وہ اشتہار تو اس مضمون پر تھا کہ جناب مولوی سلامت اللہ صاحب نے تحریری فتووں کا فریب کھول دیا کہ نہ میں نے فتوی لکھا، نہ تصدیق کی، نہ حکم کیا، نہ مشورہ دیا، میری طرف ان کی نسبت محض افترا ہے جن کی حرکتوں نے یہ تصدیقیں میرے سر باندھیں، میں اللہ تعالیٰ سے ان کی فریاد کرتا ہوں، اس کا کیا جواب ہوا۔ پھر نام مقابلہ لیتے کچھ شرم چاہیے تھی۔ اللہ حیا دے۔ **ولاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم۔**

(۱۱۱) جناب مولوی عبد الغفار خان صاحب نے اذان ثانی جمعہ میں حدیث وفقہ کو پس پشت کیا اور اعلیٰ حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ کی مخالفت فرمائی۔ جب دلیل طلب کی گئی

دنیا بھر کا جغرافیا پڑھنا شروع کیا کہ تمامی ملکوں میں امصار وقری میں ہندوستان ،افغانستان،عربستان خراسان،فارستان،شام،یمن،روم،مصر،دیار،امریکہ،افریقہ سب جگہ یہی معمول بہا ہے،ضرور ہے کہ مولوی صاحب سب جگہ گھوم آئے یا ہر جگہ سے ٹیلی گرام منگوا لیے ہوں گے،مگر حقیقت امر دیکھیے تو مولوی صاحب کو ہندوستان ہی کی خبر نہیں،تا بہ دیگر بلاد چہ رسد۔ دہلی،لاہور،اکبرآباد،سہارن پور وغیرہا میں اذان منبر سے بہت فاصلہ پر بلند مکبرہ پر ہوتی ہے،اور مکبرہ کہ اول سے بنا حکماً خارج مسجد ہے جس کی تحقیق فتویٰ اول وسلامۃ اللہ میں ہے۔مولوی صاحب کا جغرافیہ تو اسی قدر سے رد ہو گیا،اب اگر اس پر کہا جائے کہ زمانہ شوکت اسلام میں کہ اس قدر تعدد جمعہ کی کثرت نہ تھی کہ شہر میں بیس بیس جمعہ بلکہ اب رام پوری صاحبوں نے تو ایک ایک کوردہ،ایک ایک گونٹیا کو مصر جامع ومدینہ عظیمہ کر دیا اور ارشاد حدیث: **لا جمعة ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر أو مدينة عظيمة** ۔کو خوب پیٹ بھر کر رد کر دیا۔جب ایسا نہ تھا شہر میں ایک مسجد جامع بنتی جس میں باذن سلطان جمعہ ہوتا،ان سلطانی جامعوں میں غالباً یہ مکبرے بنے ہیں۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک یہ اذان بیرون مسجد ہی ہوتی تھی،اور ان میں یہ مکبرے علمائے کرام ہی کی رائے سے بنتے تھے،ہاں جو مساجد شاہی جامع نہیں یا بعد کو عوام نے بنائیں یا عام مسجدوں میں جمعے کر لیے ان میں یہ مکبرے نہیں۔عوام نے مکبروں کی حکمت نہ سمجھی اور ان کو داخل مسجد دیکھا اور نہ جانا کہ وہ زمین مسجد کے احاطہ میں ہو کر پھر بھی مثل حوض وچاہ قدیم ان امور میں خارج مسجد ہیں۔نادانی سے اذان داخل مسجد سمجھ لیے اور عند المنبر میں عند کا فارسی میں نزدیک اردو میں پاس ترجمہ دیکھ کر اذان منبر سے متصل کر لی،اور جب یہ اذان داخل مسجد سمجھی باقی اذانوں کو اس پر قیاس کر کے جہاں منارہ نہیں ہر اذان مسجد میں دینے لگے،آج کل کے علما نے حسب ارشاد حضرت شیخ مجدد یہ رواج دیکھ کر اسے تعامل جانا اور اس کے جواز بلکہ استحسان پر فتویٰ دیا،بلکہ اسی کو سنت سمجھنے لگے۔**ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم**۔

(۱۱۲) مولوی عبد الغفار خاں صاحب نے پھر اس اشتہار میں جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کو لپیٹا ہے، فرمایئے جب آپ کی دوبار تشہیر تصدیقات کو جناب موصوف صاف کذب وافترا بتا چکے، تو اس تیسرے کے صدق پر آپ نے کون سی برہان دی، جہاں وہ دو جھوٹ تھیں یہ تیسری کیوں نہیں۔ اگر کہیے، اس کے بعض بعض پرچوں پر جناب موصوف کی مہر بھی لگا کر بھیجی ہے تو جناب مہر سرقۃً بھی ملتی ہے، غصباً بھی ہاتھ آسکتی ہے، مولوی صاحب کے ہاتھ کی کونسی تحریر ہے، جب آپ کی ردکارروایوں سے وہ صراحۃً منکر ہو چکے اور ان کو بہتان وافترا بتا چکے تو حیا وغیرت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے دستی خطوط عمائد کو بھجواتے۔ یا کم از کم دارالافتا میں حاضر کرتے ورنہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ..... کے گواہ......۔

(۱۱۳) بلکہ خدا انصاف دے و نظر بشان جناب موصوف یہ تحریر ہرگز ان کی نہیں ورنہ اس پر وہ اعتراض ہوں جو ایک جاہل نافہم کی کاروائی پر جو ہمارے نزدیک جناب موصوف سے کمال مستبعد ہے۔ مثلاً: اولاً: اگر جناب موصوف اس اذان کا متصل منبر ہونا ہی سنت متوارثہ جانتے ہیں تو اپنے آپ کو بالکل بے علاقہ و بری ٹھہرا کر۔ ۳۵۔ سوالات کے جواب سے معافی مانگنے کے کیا معنی تھے۔

(۱۱۴) ثانیاً: جب خلاف پر ہیں دعوت مناظرہ سے گریز کس لیے۔

(۱۱۵) اب آپ ان رامپوریوں کے ہم خیال ہیں تو وہ کون سے ناجائز وخلاف مراد الفاظ ان لوگوں نے آپ کی تحریرات دوسطری میں تو بڑھا لیے جس پر آپ اللہ تعالیٰ سے ان کی فریاد کرتے ہیں۔

(۱۱۶) آپ نے لکھا تھا کہ جو امر متوارث ہے وہی حق ہے اور لکھا کہ اس عبارت کو لوگوں نے اپنی اپنی تحریروں پر لکھ کر شائع کیا، اور لکھا کہ اس مقدار پر تو بحمد اللہ سبحانہ حضرت کو اس فقیر کے ساتھ اتفاق ہے، اور اب فرماتے ہیں: متوارث سے مراد وہ معنی ہیں جو فی الواقع محقق ہے، جس کا نمونہ اس تحریر میں دکھایا گیا، اگر اس تحریر سے مراد کوئی تحریر

علمائے اہل حق ہے تو ضرور آپ کی یہ شکایت صحیح ہے، کہ دوسروں نے اسے اپنی تحریروں پر کیوں لکھ لیا اور یہ فرمانا حق ہے کہ اس مقدار پر حضرت کو آپ سے اتفاق ہے، لیکن اگر اس سے تحریر سوم غفار خانی مراد ہے تو حضرت کو اس پر کب اتفاق ہے، ایک کلیہ میں اتفاق جب کہ خاص مسئلہ دائرہ کے اس میں داخل ہونے نہ ہونے ہی پر نزاع ہو مسئلہ دائرہ میں کیا کام دے سکتا ہے، اور مناظرہ سے بچنے اور جواب سوالات سے معافی مانگنے کے لیے کیا عذر وحیلہ ہوسکتا ہے، اور پھر ان شائع کرنے والوں کی کیا خطا ہے، کہیے اب جناب موصوف کے لائق یہ ہے کہ ان کا کلام آپ کی طرح باطل پر حمل کیا جائے یا ہمارے مانند حق پر۔ واللّٰہ الهادي وله الحمد في العواقب والمبادي وعلى آله وصحبه وابنه وحزبه إلى يوم التنادي آمين۔ والحمد للّٰه رب العٰلمين۔

نفی عار واظہار اعتذار از جانب جناب عبد الغفار

"اذان من الله" میں چون (۵۴) سوال تھے، اور یہاں ایک سوسولہ (۱۱۶) جملہ ایک سوستر (۱۷۰) اگر چہ جناب مولوی عبد الغفار خان صاحب نے نہ ان سے جواب دیا نہ قیامت تک ان سے دیں مگر ہم بہ مقتضائے دوستی ان کی جانب سے نفی عار و اقامت اعذار چاہتے ہیں، مولوی صاحب ان کارروائیوں میں بوجوہ بے قصور یعنی معذور ہیں۔

اولاً: مولوی صاحب کو علوم دینیہ سے نہ اشتغال رہا نہ ان کی تکمیل فرمائی تو منشأ اغلاط قصور فہم ہے اور اس کا باعث قصور علم پھر مولوی صاحب کا کیا قصور۔

ثانیاً: شہرت اکثر نفوس کو بالطبع پسند ہے اور عالم کے لیے نافع وسودمند، اور مثل مشہور ہے۔ ان کا طرف مقابل بننے سے آدمی مشہور ہو جاتا ہے ہم سے بعض ثقات نے جناب مولوی حافظ عنایت اللہ خاں صاحب کا قول بیان کیا کہ انھوں نے مولوی صاحب کی یہ تحریر سوم دیکھ کر فرمایا: اب عبد الغفار خان بھی مشہور ہونا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جواب سوالات ممکن نہیں، اور سکوت وجہ خمول۔ ناچار ان اسباب کے اختیار پر مجبور۔

ثالثاً: وہابیہ لعنہم اللہ تعالیٰ اب گستاخیوں میں بے حد بڑھ گئے۔ اللہ (۱) و رسول کی جناب میں کھلے کھلے سب وشتم چھاپے۔ مولوی صاحب کو بھی غصہ آیا کہ ان کے مقابل کچھ لکھیں مگر عمر گزری کوئی سطر کسی بد مذہب کے مقابل نہ لکھی۔ ناچار اہل سنت پر وار کرنا چاہا نہ کسی مخالف کی غرض سے بلکہ اسی لیے کہ پہلے گھر میں سیکھ لیں پھر باہر نکلیں۔ اس نیت پر مولوی صاحب کی کارگزاری قابل شاباش ہے، اسی طرح اور بعض اعذار ہو سکتے ہیں۔

ع والعذر عند کرام الناس مقبول

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين آمين. والحمد للہ رب العالمين۔

مسئلہ اذان میں تصدیق اعظم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سلالہ دودمان غوثیت شاہزادۂ سرکار بغداد اولاد امجاد حضور سید الاسیاد حضرت سیدنا مولانا فخر الملۃ والدین حضرت پیر سید ابراہیم صاحب آفندی قادری جیلانی حموی بغدادی دامت برکاتہم العالیہ۔

جناب العالم الفاضل، والبحر المتقاطر، حضرة مولاناالمولوي أحمد رضا خان المحترم۔أدام اللّٰه وجوده ظلاً وذخراً للمسلمين آمين۔

بعد السلام التام عليكم ۔البادي لتحريره كثرة الأشواق هو أنه قدوصلني منكم بهذا الأسبوع كتاب وخمسة اشتهارات وترجمة المضمون العربي الذي قدمته بخدمتكم۔جزاكم اللّٰه عنا وعن الإسلام خيراً كثيراً۔ وهذا ماهولنا من حسن ألطافكم. أما الكتب التي عرفتما أن نعطيهما إلى المولوي عبد الكريم المدرس والحافظ غلام رسول حسب الأمر أرسلنا هم إلى المذكورين مع أحد الخدام والأمل أنهم قريباً يجتهدون ۔

وفي تعريف مادة الأذان إلى المسلمين والداعي لا يمكن أن أتاخر عن هذه الخدمة الجليلة وتجدني قريباً أشرع في المقصود أقدمه بخدمتكم، كونوا من المسامحين، ولقد أخذني العجب من هذه المسئلة التي هي من الفروع كيف اشتدت إلى هذه الدرجة، فهل يميزون مسلمو الهند بين الخبيث والطيب حيث أن المعترضين دائماً

یصرحون بتوهين خاتم الأنبياء والمرسلين، وشبهوه بصفات لا يمكن أن أحررها بيدي خوفاً من ترك الأدب مع ذات الرسالة۔ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔ فهل في زعمهم أن المستحبات من السنن يلزم على العالم تأييده أكثر من الفرض۔ تالله أنها المصيبة كبيرة وقعت في مسلمى الهند فما الذي طرء على عقولهم حتى جعلهم إلى هذه الدرجة وسلموا لنا على أولادكم الأ نجاب الفضلاء وشرفوني بكل خدمة تليق بهذا المقام والله يحفظكم والسلام،الداعي لكم بالخير ۔پیر سید إبراهيم القادري الرزاقي الحموي البغدادي عفي عنه۔

ترجمہ: جناب عالم فاضل ودریائے فیاض حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں محترم اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے وجود کو مسلمانوں کے لیے سایہ وذخیرہ رکھے۔آمین۔آپ پر کامل سلام کے بعد اس تحریر کا سبب کثرت اشتیاق ہے اس ہفتہ میں آپ کی طرف سے مجھے ایک کتاب اور پانچ اشتہار اور اس عربی مضمون کا ترجمہ جو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر کیا تھا اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور اسلام کی جانب سے خیر اور کثیر جزائیں بخشے،آپ کے حسن الطاف سے ہماری یہی آرزو ہے،اور وہ کتابیں جن کو آپ نے مولوی عبد الکریم صاحب مدرس وحافظ غلام رسول صاحب کے دینے کو کہا تھا وہ ہم نے حسب الحکم ایک خادم کے ہاتھ ان صاحبوں کو بھیج دیں امید کہ وہ عنقریب مسئلہ اذان مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کریں گے اور یہ دعا گو تو اس عظیم خدمت سے تاخیر کر سکتا ہی نہیں،آپ عنقریب دیکھیں گے کہ میں نے شروع کر دیا اور آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے،معافی چاہتا ہوں اور مجھے سخت تعجب نے لیا،کہ یہ فرعی مسئلہ اس درجہ کیوں سخت ہو گیا۔

کیا ہندوستان کے مسلمانوں کو خبیث اور پاکیزہ کی تمیز نہ رہی کہ وہ جو معترضین ہیں وہ تو ہمیشہ حضور خاتم النبیین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی صاف توہین کیا کرتے

ہیں، اور حضور کو ایسی تشبیہیں دیتے ہیں جن کو میں اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا کہ بارگاہ رسالت میں کہیں بے ادبی نہ ہو جائے، تو کیا انھیں (یعنی شاید اس خیال سے انھوں نے اس فرعی مسئلہ میں نزاع شروع کر دی کہ عالم اس میں مشغول ہو کر ان کے کفر و توہین کا پیچھا چھوڑ دے گا، یہ ان کی خام خیالی ہے) یہ گمان ہے کہ محبوب سنتوں کی تائید عالم پر تائید فرض سے زیادہ ہے، خدا کی قسم وہ سخت مصیبت تھی کہ مسلمانان ہند پر پڑی ان کی عقلوں کو کیا ہوا کہ انھیں اس درجہ پر کر دیا اور اپنے نجیب و فاضل صاحب زادوں کو ہمارا سلام کہیے اور یہاں کے لائق جو خدمت ہو مجھے اس سے مشرف کیجیے اور اللہ تعالیٰ آپ کا نگہ بان ہو۔ والسلام۔

آپ کا خیر خواہ

پیر سید ابراہیم القادری

الرزاقی الحموی البغدادی عفی عنہ

رسالہ

مقتل اکذب واجہل

(۱۳۳۲ھ)

مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی پانچویں تحریر کا رد

مولوی صاحب کی یہ تحریر پہلی تحریروں سے بھی اکذب واجہل ہے

لہذا رد کا نام بھی یہی ہوا

۞۞۞۞۞۞۞
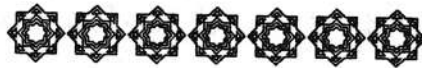
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ القہار، علی کل متعصب کفار، الذي یخاف یوم الحساب، یتلاعب بالسنۃ والکتاب، ویفتري علی سید المرسلین، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ أجمعین، والذین یسمون السنۃ بدعۃ، ویکابرون الحق، ویمرون علی الباطل المبین، اولئك ھم الفجار حقاً، ولھم عذاب مھین، الا من تاب واٰمن وعمل بسنۃ المصطفٰی الأمین، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وصحبہ إلی یوم الدین آمین۔

مولوی عبد الغفار خاں صاحب

آپ کی تراشیدہ عبارتوں سے صرف دو عبارتیں دکھانے پر آپ کو سو روپے کا اشتہار، اور یکم ذی قعدہ تک مہلت تھی، ۱۵ ر تک آپ کی صدائے برنخاست۔ اب بولے تو وہ کہ سکوت سے لاکھ درجہ بدتر ادعا کیا، اور مؤکد بحلف شدید کہ قسم ہے عیش رسول۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کی کہ ہم نے جو روایات نقل کی ہیں، وہ کتابیں سرکاری کتب خانہ میں موجود ہیں، ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں، ایک حرف کا تفاوت نہ پائیں گے۔

یہ تحریر آپ تو یہاں بھیجتے شرمائے مگر بازار میں ایک صاحب کو ملی وہ اٹھالائے، کہ یہاں جلسہ مدرسہ اہل سنت کی اخیر تاریخ تھی، آپ ہی کے شہر، آپ ہی کی جماعت کے سرتاج جناب فضائل نصاب، حامی سنت حضرت مولانا مولوی ظہور الحسین صاحب فاروقی جلسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کی تحریر حضرت ممدوح کو دکھائی، اور دین الٰہی پر آپ کی جرأتوں کا نمونہ بتایا، اور تصحیح نقل کے متعلق سات سوال لکھ کر دیے، اور گزارش کی کہ حضرت بذات خود مولوی صاحب سے تصحیح نقل لینے کی تکلیف فرمائیں، حضرت نے بکمال للہیت جو ایک سنی فاضل کی شان ہے وعدہ فرمایا، کہ میں کل ہی ان کو کتب خانے لے جاؤں

گا، اور ان ساتوں سوالوں کے جواب لوں گا، آج حضرت موصوف کا نامی نامہ بنام اعلیٰ حضرت مدظلہ آیا جس کی بعینہ نقل یہ ہے:

نقل گرامی نامہ حضرت مولوی محمد ظہور حسین صاحب بنام اعلیٰ حضرت مدظلہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامی سنت، ماحی بدعت، حضرت من مدظلہم العالی علیٰ رؤس المستر شدین

بعد سلام مسنون! رام پور آکر فقیر کو پیچش ہوگئی اس وجہ سے مولوی عبد الغفار سے میں خود نہ مل سکا، البتہ یعقوب بخاری، اور میاں حسنین رضا خاں طول عمرہ کو یہی پرچہ دے کر مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیجا گیا، جواب دیا کہ ہم اشتہار ہذا میں اس کا جواب شائع کر چکے، اب تحریر جواب کی حاجت نہیں، صرف زبانی اتنا بولے کہ جُنگ مولوی غفران صاحب کا ہے، اس میں ''صلاۃ مسعودی'' کی فقط اتنی عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے، اشتہار ملفوف کرکے بھیجا جاتا ہے، اب فقیر کو بفضلہٖ تعالیٰ و بحرمتہ حبیبہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صحت ہے۔ العبد محمد ظہور الحسین عفی عنہ

مولوی صاحب للہ اپنی حالت پر رحم کیجیے، آپ کے اس اشتہار پر ہمارے سوالات یہ تھے:

(۱) وہ کون سی کتاب ہے جس میں ''صلاۃ مسعودی'' کے حوالہ سے یہ عبارت صفحہ ۱۷۰ اوالی نقل کی ہے۔

(۲) اس کا مصنف کون ہے؟ اور کسی نے کبھی اس کتاب کا کہیں حوالہ دیا ہے، اس وقت اس سوال میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ اگر وہ کوئی کتاب نہیں بلکہ کسی قلمی کتاب کے حاشیہ پر کسی نے کچھ لکھ دیا ہے، تو وہاں ناقل نے اپنا نام بھی لکھا ہے، یا ایک گم نام کتابت ہے، آپ اگر اسے زید یا عمرو کی بتائیں، تو اس بتانے پر کوئی دلیل شرعی ہے، یا نری آپ کی زبان۔

(۳) تصحیح نقل جس کتاب سے دکھائی جائے، آیا اس میں سے ''صلاۃ مسعودی''

کے حوالہ سے بعینہ یہی اور اتنی ہی عبارت لکھی ہے، جو صفحہ ۱۷ پر نقل کی ہے، یا کم وبیش ہے؟۔

(۴) کم وبیش ہے تو وہ پوری عبارت کیا ہے؟۔

(۵) اس عبارت میں بیرون مسجد کا لفظ صاف صاف موجود ہے یا نہیں؟۔

(۶) اس عبارت میں اس مضمون کا حوالہ فتاویٰ خانیہ پر دیا یا نہیں؟۔

(۷) فتاوی خانیہ میں مئذنہ ہے یا منبر؟۔ [۲۷/ذی قعدہ، ۱۳۳۲ھ]

مولوی عبدالغفار خاں صاحب کا فرار اوران پر ضربات کا شمار

(۱) مولوی صاحب! آپ ایمان سے کہتے ہیں کہ ان سوالات کے جواب آپ کے اشتہار ھذا یا اشتہار ذلک یا کسی میں ہیں؟۔

(۲) اگر ایسا تھا اور اب حاجت نہ رہی تھی، تو آپ نے اسی اشتہار میں یہ دعوت کاہے پر دی کہ کتب خانہ میں ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں، اور فرمایا: جو صاحب چاہیں دیکھ لیں۔

(۳) اسی دعوت کا ایفا تو آپ سے چاہا تھا، اور وہ بھی ان فاضل جلیل کی معرفت ، جو خود آپ کی جماعت کے سرتاج ہیں، کہ آپ اپنا اندرونی دردان سے گزارش کرتے اتنا نہ شرمائیں گے، انھوں نے اپنے دو طالب علم بھیجے، آپ سچے تھے تو ’’آنرا کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک‘‘ کیوں خود ہی دعوت دے کر منکر ہو گئے، فرار مبارک۔ مولوی صاحب ! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عبارتیں جھوٹی گڑھ کر، مسلمانوں کو دھوکے دے کر آپ کا پیچھا چھوٹ جائے گا؟۔ نہیں نہیں ہم تا بخانہ پہنچا کر چھوڑیں گے، اور یہ دوسرا مطالبہ پہلے سے کرّا کریں گے۔

اب پھر آپ کو از سر نو دس دن کی مہلت ہے:

اول تو اسی پر خیر گزرتی کہ آپ تنہائی میں حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب

کے آگے اپنی دغا کھول دیتے۔ وہ نفرین ملامت کر کے آپ کو توبہ یا اس کا مادہ نہ دیکھتے تو کم از کم سکوت کی ہدایت فرماتے۔ اب یوں ہے کہ بہ فور وصول دس دن کے اندر کی کوئی تاریخ معین کر کے مجھ کو اطلاع دیجیے کہ بعض معززین واہل علم یہاں سے جائیں اور ادھر پیلی بھیت کے بعض معزز رؤسا بہت مشتاق ہیں، وہ بھی آئیں اس جماعت کے ساتھ، حضرت موصوف کے ہمراہ رکاب کتب خانہ جائیے اور کتابیں دکھائیے ، اور ساتوں سوالوں کے جواب حضرت ممدوح و جماعت موصوف کے سامنے ایمان ایمان سے لکھ کر دستخط کیجیے۔ دیکھیے تو دین مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔ میں مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے ، اپنا صریح جھوٹ پالنے کے لیے عبارتیں دل سے تراشنے والے، عیشِ مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔ کی جھوٹی قسموں کے پھنکے اڑانے والے، کیسے کیسا ذلیل ہوتے ہیں، مگر ہم کہے دیتے ہیں کہ نہ آپ تاریخ معین کریں گے ، نہ جماعت کے ساتھ کتب خانہ جائیں گے، نہ ہرگز ہرگز کتاب دکھائیں گے، دنیا میں کہیں پتا ہو تو منہ سامنے لائیے ، نری جھوٹی گڑھت کسی گھر سے سچی کر دکھائیے۔

(۴) مولوی صاحب اپنی عاقبت کا حال کھولتے ہیں:

فرماتے ہیں: ہم کو کیا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے کہ اپنی طرف سے روایات گڑھیں۔ جی اگر آپ سچے ہیں تو اپنی دنیا کیوں خراب کریں۔ تمام میں تھڑی تھڑی ہو رہی ہے کہ جھوٹی عبارتیں گڑھ لیں۔ سچے ہوتے تو ثبوت نہ دیتے۔ یوں نہ دیتے، تو روپوں پر تو دیتے۔ یوں بھی نہ دیتے تو اپنے مخالف کے جھوٹا کرنے کو تو دیتے۔ اوروں کو نہ دیتے ، تو خاص اپنی جماعت کے سرتاج فاضل ممتاز کو تو دیتے۔ لیکن آپ تو ہر پہلو پر دم چراتے ، جان بچاتے ہیں۔ تو روشن ہو گیا کہ عبارتیں آپ کی گڑھت ہیں، اور آپ خود بتا چکے کہ اپنی طرف سے روایات گڑھنا، اپنی عاقبت خراب کرنا ہے، پھر عیش مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔ کی جھوٹی قسمیں کھا کر کیوں اپنی خراب عاقبت کو خراب تر کیجیے۔

(۵) مولوی صاحب اپنا نولکّھا جھوٹ کھولتے اور اذان اندرون مسجد پر آخری

بولتے ہیں:

فرماتے ہیں: اگر ہم کو گڑھنا ہوتا تو چھ ماہ تک کیوں کتب خانہ جاتے، اور محنت اٹھاتے۔ جی یہی تو مصیبت تھی، جب چھ مہینے خاک چھانی اور مسجد کے اندر اذان کی آدھی چہارم روایت نہ پائی، تو مرتا کیا نہ کرتا، ناچار گڑھنے کی ٹھہرائی۔ غنیمت ہے کہ آپ نے روایت ڈھونڈھنے کے لیے چھ مہینے تک کتب خانہ کی دوڑ قبول دی۔

کیا مسلمان اب بھی نہ سمجھیں گے کہ مسجد کے اندر اذان ہونا ایسا ہی بے ثبوت و بے اصل ہے کہ ریاست کا کتب خانہ (جس میں صد ہا نادر کتابیں ہیں) چھ مہینے چھانا، اور ایک روایت نہ نکال سکے۔ ناچار جھوٹ گڑھت پر اوقات رہی۔ بحمدہ تعالیٰ یہاں خود آپ کے منہ سے آپ کے اس ہزاروں جھوٹ کے مجموعہ مرکب ہفت ہزاری کذب بلکہ لکّھا جھوٹ کا پردہ کھل گیا، جو آپ نے ''آثار المبتدعین'' صفحہ (۴۳) پر فرمایا: کہ کتب معتبرہ فقہیہ میں ہزاروں دلیلیں اذان خطبہ کی مسجد میں ہونے کی موجود ہیں۔ بھلا متواتر مسئلہ جس کی ہزاروں سندیں کتابوں میں بھری ہوں، کیا اس کے لیے چھ مہینے کتب خانہ چھاننا، دانتوں پسینے لانے کی مصیبت جھیلنا، اور پھر پچھلا نتیجہ یہ دینا ہوتا ہے، جس پر ایک ہزار ضرب کامل تو ہو چکی ہیں، اور کیا جانیے آپ کی اور کتنی ہیں۔

(٦) حدیث پر مولوی صاحب کا تازہ افترا

مولوی صاحب نے عیش مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔ کی قسم کھائی ہے کہ بے افترا نوالہ نہ توڑیں گے، عادت جو پڑ گئی ہے، بے واسطے افترا پھنٹاتے ہیں۔ آثار المبتدعین میں یہ حدیث گڑھی تھی کہ ''أول من قاس إبليس''۔ یہاں بولے: مولانا صاحب نے حدیث: ''ظنوا المؤمنین خیراً'' کو چھوڑ دیا۔ مولوی صاحب حدیث کیا جانیں۔ جاہلوں سے سنی سنائی پر گزر ہے۔ ثبوت تو دیجیے کہ یہ حدیث کے لفظ ہیں۔

(٧) صلاۃ مسعودی میں جدید تحریف:

فرماتے ہیں: صلاۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ:

''مسئلہ سنت این ست کہ مؤذن در بانگ نماز واقامت در مسجد باشد''

اس روایت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اذان خطبہ اور اقامت دونوں کا مسجد میں کہنا سنت ہے۔

مسلمانو! صلاۃ مسعودی کا قلمی نسخہ (۶۸) برس کا لکھا ہوا یہاں موجود ہے، عبارت یوں ہے: ''مسئلہ سنت این ست کہ مؤذن درمیان بانگ نماز واقامت در مسجد باشد''۔ یہاں ذکر اس کا ہے کہ جو وقت اذان واقامت کے درمیان ہے، یعنی اذان دینے کے بعد سے تکبیر کہنے تک مؤذن یہ وقت کہاں گزارے، اس کو بتایا کہ سنت یہ کہ مسجد میں گزارے۔ یہ نہ کرے کہ اذان دے کر مثلاً گھر کو چلا جائے، پھر آ کر تکبیر کہے۔

مولوی صاحب نے ''میاں'' کا لفظ کتر لیا، اور ٹھہرا دیا کہ مسجد ہی میں اذان ہونا سنت ہے، اذان واقامت کی ایک جگہ ہے، حالانکہ ہدایہ وتمام شروح ہدایہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ شرعاً اذان واقامت کے مکان مختلف ہیں، صلاۃ مسعودی کا یہ مقام حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کو دکھایا کہ مولوی صاحب کی چالاکی وتحریف ملاحظہ ہو، جناب ممدوح نے تعجب کیا، اور فرمایا: کہ اس عبارت کو ان کے مطلب سے کیا علاقہ۔

(۸) اگر بالفرض ''میاں'' کا لفظ مولوی صاحب کی دیانت نے نہ کترا ہو بلکہ بمبئی کے نسخے میں ساقط ہوا ہو تو مولوی صاحب اسی اشتہار میں تو فرما چکے ہیں کہ:

''اس نسخہ میں جابجا عبارتیں رہی ہوئی ہیں، ناقص ہیں، مضمون خبط ہے''

پھر ایسے نسخے کے بھروسے عبارت نقل کرنا اور حکم لگانا کہ اس روایت سے صاف ظاہر ہو گیا، کیا بد دیانتی نہیں؟۔ جب آپ کو اس کی یہ ردی حالت معلوم تھی تو اس پر اعتماد میں جو کچھ تحریف وافترا واقع ہو سب آپ کے سر ہے، کہ آپ جان بوجھ کر ایسے غلط کے متبع ہوئے، اس کی نظیر یہ ہے کہ بے ہوشی میں طلاق منہ سے نکلے تو نہ ہو گی، لیکن شراب پی اور اس کی بے ہوشی میں نکلی پڑ جائے گی، کہ یہ تو اس حالت کا جان کر مرتکب ہوا، تو جو کچھ اس سے صادر ہو سب اوڑھ لیا۔

(۹) مولوی صاحب کی اجتہاددانی روز نئے حکم بدلتی ہے۔

مولوی صاحب دوسری تحریر میں ایمان لائے تھے کہ: اذان پنج گانہ مسجد میں منع ہے، ائمہ کرام نے اسے منع فرمایا ہے، چوتھی میں یہ سرکلر آیا کہ وہ بھی منع نہیں، ہاں خلاف اولیٰ ہے، اب پانچویں میں اس عبارت ساختہ صلاۃ مسعودی سے ٹھہرادیا کہ خلاف اولیٰ کیسی سنت ہے۔

(۱۰) ترجمہ میں خیانت کا پیوند لگا گئے۔

ہزار ضرب اقوی نے تو مولوی صاحب کے ستاسی ترجمے دکھائے، جن میں انہوں نے اپنی گڑھت کے پیوند لگائے، اس بے چارے اشتہار میں فقہ کی یہ ایک ہی عبارت دکھائی تھی، اس میں بھی اپنی لت سے چوکے، صلاۃ مسعودی میں فقہ کی یہ عبارت عام اذانوں کے بارے میں ہے، مولوی صاحب چرچے کہ اب تو ممانعت ائمہ کی پوری تکذیب اور اجماع مسلمین کی پوری مخالفت ہوئی جاتی ہے، کہ ہر اذان مسجد میں دینا سنت ہے، جھٹ پیوند لگا دیا کہ اذان خطبہ۔ کیوں مولوی صاحب عبارت میں اذان خطبہ کی تخصیص کہاں ہے۔

(۱۱) ڈھٹائی کا اقرار اور ہذیانوں کے انبار:

فتح القدیر کی عبارت کو جو غلط بتایا اور ادعا کیا کہ صحیح یوں ہے، اس پر پچاس روپے کا اشتہار دیا کہ کسی نسخے میں اپنی گڑھی دکھا دیں، اس کا جواب فرماتے ہیں: ہم نے کب کہا ہے کہ فتح القدیر میں جو یہاں نسخے ہیں اس میں یہ عبارت ہے۔ یہ صاف اقرار ہے کہ کسی نسخہ میں آپ کی تراشیدہ عبارت نہیں، محض ڈھٹائی سے گڑھ لی، یا شاید قادیانی کی سی کوئی وحی اتری۔

(۱۲) عبارت فتح القدیر کو جیسا آپ سمجھے اور آثار المبتدعین کے صفحہ (۱۱۲) پر جو ستیاناسی معنی اُگلے، ان کا پورا لطف تو ''مقتل کذب وکید'' کے حصہ دوم میں دیکھیے، جو آپ کی جہالات سے باحث ہے، مطلب کی ہوا بھی نہ لگی اور اندھا دھند بکنا شروع

کردیا۔ یہاں اسی قدر سہی کہ فتح القدیر میں فرمایا:"ھـذا صـورۃ قیاس علة الحکم في الأصل کذا شرطاً للصلاۃ"(۱)

آپ ترجمہ فرماتے ہیں: یہ صورت قیاس علت حکم کی ہے اصل شرط ہونے میں واسطے صلاۃ کے۔

مہربانی فرما کر ذرا عبارت فتح اور اپنے ہذیان دونوں کی ترکیب بتا کر تطبیق دکھایے۔

(۱۳) جانے دو اپنے ہذیان کا مطلب ہی کہہ دو، وہ کہ انسان کے کہنے کا ہو۔ ایسی کج فہمی، بدعقلی پر عبارات ائمہ کی بحث اور مسائل شرعیہ میں دخل۔ واللہ العظیم اگر اول سے ایسا جانا ہوتا، تو ہرگز آپ سے خطاب کرنا نہ تھا۔ حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کے سامنے بھی یہ ہذیان شریف پیش ہوا، مولانا بھی کچھ مطلب نہ کہہ سکے، کہیں تو جب کہ قائل نے خود کچھ مطلب رکھا ہو۔ یہ قدیمہ جدیدہ افق المبین نہیں جسے مولانا سمجھ لیں گے، یہ غفار خانی کلام ہے جس کے سمجھنے کو دماغ میں ڈھائی پاؤ جنون درکار۔

اب ہم دنیا بھر کے علما ودقائق فہم حضرات کو اعلان دیتے ہیں، اگر غفار خانی جملوں کی ترکیب اور مطلب کہہ کر عبارت فتح سے تطبیق کر دکھائیں تو ہم ان کو ملک العلما کہیں گے۔

(۱۴) اور طرفہ سنیے! امام ابن الہمام تو قیاس ہدایہ پر اعتراض فرما کر قیاس کافی کی طرف رجوع کر رہے ہیں، آپ اسے جواب ٹھہرا رہے ہیں۔

(۱۵) جواب بھی ایک نہیں۔

(۱۶) وہ بھی کس سے خود اسی اعتراض سے۔ اعتراض یہ تھا کہ اذان خطبہ کب شرطِ نماز ہے، جواب یہ ہوا کہ: اذان خطبہ شرط صلاۃ جمعہ ہی نہیں۔

---

(۱) [فتح القدیر لابن الهمام: باب صلاۃ الجمعة، ۵۸/۲]

(۱۷) اُس سے کافی کی طرف عدول، اس کی طرف سے دوسرا جواب ہے کہ" دوسرا محمل یہ نکالا پس اولیٰ جواب اعتراض میں تشبیہ جامع ہے جس کو صاحب کافی نے معین کیا"،

سچ ہے: ع   آدمی آدمی حواس سے ہے

(۱۸) جامع کہ اصطلاح اصول ہے، اسے چار جگہ تشبیہ جامع کہنا عجب لطیفہ ہے، علت جامع کو تشبیہ آج ہی سنا ہے (۱) اور یہ تو ہزار ضرب اقوی میں معروض ہو چکا کہ ایسا تھا تو "في المسجد" کو" أي: في حدوده" سے تفسیر کرنا آپ کی سی حماقت ہو جائے گا۔

(۱۹) طرفہ جہالتیں یہ کہ یہاں کراہت اذان کا کیا موقع ہے، کچھ بھی نہیں، اس لیے کہ مطلب کے ساتھ اس کی علت کا بیان بالکل بے موقع ہے۔

(۲۰) اور ماسبق و مالحق سے کیا مناسبت ہے۔ جی بالکل مباینت کہ دلیل ودعویٰ نرے اجنبی ہوتے ہیں۔

(۲۱) اور "فالاولىٰ ما عينه الكافي جامعاً" کے کیا معنی ہوں گے، یہ کہ" آپ را عقل نباشد" ادنیٰ سمجھ والا دیکھ رہا ہے کہ آپ کو مطلب کی ہوا تک نہ لگی، اور ہذیان میں برّا رہے ہیں۔

(۲۲) اس پر یہ غرہ کہ جن کے قلوب فیضان انوار نبوت سے روشن ہیں، وہ جان سکتے ہیں۔ استغفر اللہ! یہ انوار نبوت کی شدید توہین ہے، کہ ان کے فیضان سے بھلا چنگا آدمی صورت کا ہیولیٰ پاگل ہو جاتا ہے، آپ تو اس درجہ نابینا اور انکھیاروں کو کہیں ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾ (۱)

(۲۳) انہیں کج فہمیوں کی بنا پر معترض ہوئے کہ...." فالاولىٰ ما عينه الكافي جامعاً" حضرت مولانا ہضم کر گئے۔

---

(۱) [سورة النور: ٤٠]

اس اشتہار میں بھی اسے قطع برید قرار دیا ہے، مولوی صاحب منہ چڑانے سے اپنا ہی منہ بگڑتا ہے۔

ع: اوگمان بروہ کہ من کردم چواو

ذرا کسی طالب علم سے قطع و برید کے معنی پہلے سیکھ لو، آپ کو قطع و برید میں مشق ہے مگر اس کے معنی نہیں سمجھتے۔

(۲۴) حق عبارت کی تکذیب پر دلیل کیا آپ ہی ہے، کہ فتح میں بحوالہ کافی لکھا ہے، اور کافی میں ''فصار کالأذان'' تو ''لكراهة الأذان'' کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔ داکو مان کر آٹھ دس برس مدرسہ اہل سنت منظر اسلام میں آکر طالب علمی کر لیجیے، اس کے بعد آپ کو خود کھل جائے گا کہ یہ جو کچھ فرما رہے ہو سب ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾ [سورة النور: ٤٠] تھا، فتح القدیر کے مطلب اور آپ کی بدفہمی نافہمی کی تشریح حصۂ دوم مقتل کذب سے لیجیے، اس مختصر میں آپ کو یونہی اندھیرے میں رکھنا مناسب کہ آپ کو کھلے تو کہ ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾ (۱)

پھر بھی اتنا سکھا ہی دوں کہ ''فتح'' نے ''کافی'' کا جامع بیان فرمایا ہے؟۔ یا کافی کی عبارت نقل کی ہے، ''جامع هو ذكر الله في المسجد'' ہے، یا ''فصار كالاذان'' بھی جامع میں گھسا ہوا ہے۔ اللہ جن کو اتنی بھی تمیز نہ ہو وہ مباحث علمیہ کلمات ائمہ کو اپنی تکلیف سے معاف کیوں نہ رکھیں۔

(۲۵) انھیں اوندھی سمجھوں، نافہمیوں، ہذیانوں پر ان کے اس چھکے کی بنا ہے کہ مولانا نے یہاں کئی غلطیاں کیں۔ ایک تو خیانت کہ عبارت اول کی کاٹ لی۔ خیر آپ کی یہ جہالت۔ تو نمبر پا چکی۔

مولوی صاحب اول کا جملہ کاٹ لینا وہ ہوتا ہے، جو آپ نے عبارت شیخ کی ابتدا

---

(۱) [سورة النور: ٤٠] (۲)[سورة النور: ٤٠]

ست'' وقال الشيخ '' کترلیا۔ دوسرے ذکر خطبہ کا ہے، ضمیر اذان کی طرف پھیردی۔ یہ اول تو خود اپنے خصم پر افترا ہے، فتواے مبارکہ مطبوعہ تحفہ میں عبارت فتح لکھ کر صرف ترجمہ فرمادیا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، مسجد میں ضمیر کی جگہ ضمیر ہی ہے، آپ کو پھیرنا کیسے محسوس ہوا۔

(۲۶) ثانیاً: عقل کی پڑیا! جامع مقیس ومقیس علیہ میں یکساں ہوتا ہے، ورنہ جامع نہ ہو، اور في حدوده سے تفسیر بنظر اذان ہی ہے، خطبہ تو خود جوف مسجد میں ہے۔ ولكن المولوي صاحب لا يفهمون ولا يعقلون شيئاً ولا يهتدون ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾(۱)

(۲۷) تیسرے یہ کہ کافی کی عبارت نہ دیکھی۔ یہ رجما بالغیب اپنے خصم پر افترا ہے۔

(۲۸) چوتھے ماسبق ومالحق کا لحاظ نہ کیا، جب تو تعلیل کو معلل سے مربوط فرمادیا، آپ نے لحاظ کیا، لہذا دعوے سے دلیل کو بے گانہ ٹھہرادیا۔

(۲۹) پانچویں یہ غور نہ کیا کہ مسئلہ اذان سے بحث ہے یا خطبہ سے؟۔ جبھی تو "أي في حدوده" فرمایا، اس لیے کہ مولوی صاحب کے دھرم میں خطبہ جوف مسجد میں منع ہے۔

(۳۰) چھٹے اگر جان کر یہ کارروائی کی تو بڑی بات ہے، ہرگز مناسب اہل علم نہیں کہ غلط عبارت بنا کر بہکائے، مولوی صاحب آپ کی باتوں پر اس دست بریدہ کی حالت یاد آتی ہے جس نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں سے آپ تو زیور چرایا، اور تلاش کرنے والوں کے ساتھ خود گھسٹتا اور چرانے والے کو کوستا جاتا: "اللهم عليك بمن بيّت أهل هذا البيت الصالح"(۲)

(۳۱) آپ کی شدید جہالت مان لیں کہ عبارت یوں غلط ہے، مگر جب آپ خود

---

(۱) [سورة النور: ٤٠]

(۲) [صحيح البخاري: باب حديث الغار، ٤/١٧٧]

مقر ہیں کہ تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں یوں ہی ہے، اور آپ کی تراشیدہ کسی نسخہ میں نہیں، تو یہ آپ کے خصم کا عبارت بنا لینا ہوا، مگر افترا علی الخصم تو آپ کے گھر حلال ہے، خصم کی کیا حقیقت، جب واحد قہار اور اس کے حبیب مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراؤں کی بوچھار ہے۔

(۳۲) بنا کر بہکائے کہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ مولوی صاحب چمگادڑ آفتاب کو دیکھ نہیں سکتا، مگر انکار بھی نہیں کر سکتا، منکر آفتاب کو کیا کہا جائے۔ ہاں وہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: إذا لم تستحي فاصنع ما شئت۔

ع: بے حیا باش وہر چہ خواہی کن

افترا، عناد، جہالت، کذب، تناقض:

جن میں اکثر کے رد ''اذان من اللّٰہ'' و ''نفی العار'' اور ''ہزار ضرب اقوی'' میں ہو چکے، لہٰذا اشمار و اشعار بس۔

(۳۳) ابن اسحاق کی تدلیس کا راگ عناد۔

(۳۴) تضعیف کا گیت عناد۔

(۳۵ تا ۳۸) ابن الہمام و حلبی نے فرمایا کہ: ابن اسحاق مدلس ہے، اس کی حدیث عنعنہ جب تک مؤید نہ ہو معتبر نہیں۔ دونوں پر افترا اور ''نفی العار'' نے کشف جہالت کر دیا تھا، پھر وہی دونوں عناد۔

(۳۹ و ۴۰) ''تمام سلف وخلف''

کذب بھی، عناد بھی، اور اس کے ساتھ

''تمام جمہور فقہائے حنفیہ''

کتنے مزہ کا ہے ''تمام'' بھی، اور ''جمہور'' بھی۔ اور بعض فقہائے حنفیہ کہ علاوہ جمہور رہے، شاید تمام سلف وخلف سے خارج ہیں۔

(۴۱) ''حرمین شریفین کا جواب کتنی بار سن چکے''۔ عناد۔

(۴۲ و ۴۳) ''جمیع بلاد اسلام''۔ کذب بھی عناد بھی، اور جس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہلی حدیث سے جو نقل کی ''خبر غائب''۔

(۴۴ و ۴۵) ''حضور کے زمانہ سے برابر جاری ہے''، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا بھی عناد، بھی۔

(۴۶) ''کسی نے بہت تعرض نہ کیا''۔

یعنی تھوڑا تعرض کیا، دن دہاڑے جھوٹ۔

(۴۷) '' کہنے والوں نے کہہ دیا تھا''

ع: دلے از مفتری نتواں برآمد

دس برس سے تحفہ حنفیہ شائع ہوا، کسی نے چوں بھی کی۔

(۴۸) ''پیلی بھیت تشریف لے گئے، وہاں اس بدعت کو رواج دینا چاہا''۔

جھوٹ بلکہ فتویٰ دریافت ہوا، جواب فرمایا، اہل سنت نے قبول کیا، اجرا کیا، کئی جمعہ تک سب متفق رہے۔ پھر بعض وہابیہ نے شیطنت مذہبی کا بخار اس پیرایہ میں نکالنا چاہا، اور بعض حاسد معاند موافق ہو لیے۔ آپ اور دیوبندی اور آس پاس کے، اور بعضے حساد برسوں سے آتش حسد میں بھن رہے تھے، کچھ بس نہ چلتا تھا، اس مسئلہ میں عوام جہال کا ملی غول ساتھ ہوتا دیکھ کر پھوٹ پڑے۔ سارے طوفان بے تمیزی کی حقیقت اتنی ہے ورنہ دس برس سے کس کھو میں الوپ تھے، کہ بدعت دیکھ کر دم سادھے رہے، واحد قہار کے وجہ کریم کو حمد کہ ان متفقہ کوششوں پر بھی ایک دلیل کا بال بانکا نہ کر سکے، ایک اعتراض کا جواب نہ دے سکے، سوسو کھائیں اور وہی مردودات سامنے لائیں، کچھ نہ بنے تو عبارتیں گڑھیں، قطع و برید کریں، جھوٹے ترجمے تراشیں، میں آپ ہی کو نہیں کہتا سبھی ان جملہ امراض میں گرفتار ہیں ، اس کی فہرست بھی انشا اللہ تعالیٰ ایک اشتہار میں دکھا دینے کا ارادہ ہے، ولہ الحمد وبہ التوفیق۔

(۴۹) رہا سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بدعت کہنا، اس کا جواب یہاں کیا ہوسکتا ہے، معافی نہ ہوئی تو حشر میں کھلے گا۔

(۵۰) رسالہ سوالات قاہرہ کی نسبت فرماتے ہیں:

''ہم کو اس سے غرض نہ تھی، کچھ تعرض نہ کیا، نہ جواب لکھا''۔

اور آثار المبتدعین میں وہ کس منہ سے کہا تھا کہ اس تحریر میں ہم نے رد ان اعتراضوں کا بھی کردیا جن کا نام مولانا نے سوالات قاہرہ رکھا ہے، وہ چون ہیں'' زہے تناقص۔

(۵۱) ''جب حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ہوا''۔

مولوی صاحب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراؤں کی کوئی حد بھی ہے ، یا غذا بنالیے ہو، توبہ کیجیے توبہ، ورنہ مرتے وقت ایمان سلب ہونے کا قوی اندیشہ ہے، والعیاذ باللہ، اور امام جوینی کے نزدیک تو فی الحال کفر ہے۔

(۵۲ و ۵۳) اول سے اپنا سکوت بتا کر اپنے اشتہار سوم کو کہا:

''اس وقت ایک اشتہار شائع کیا''۔

یہ وہی کذب ہے جس سے اس اشتہار کی ابتدا ہے، ''نفی العار'' نے حال کھول دیا تھا، مگر عناد کا کیا علاج۔

(کذب جامع) ''اشتہار کے جواب میں مولانا صاحب نے ''نفی العار'' شائع کیا، روایات کا جواب ندارد''۔

مولوی صاحب شاید آپ نے تمام جہاں کو اندھا سمجھ لیا ہے، اف ری حیا! کہ جیتی مکھیوں کے بھنکے پر بھنکے لگائے اور آنکھ نہ جھپکائے۔ ''نفی العار'' موجود ہے، آنکھیں کسی سے قرض مانگ کر اپنے اشتہار کی روایات سے اپنے استدلالوں کے رد گنیے۔

(۵۴ تا ۶۷) تقریب التہذیب صفحہ ۱۱، ۱۲ پر ۱۴ رد۔

(۶۸ تا ۷۱) ابن الہمام وحلبی دربارہ تدلیس صفحہ ۱۴ و ۱۵ پر ۴ رد۔

(۷۲تا۷۴) ابن الہمام وحلبی وحدیث دربارۂ قدریہ سے استناد، صفحہ ۱۵ پر ۳ رد۔

(۷۵تا۸۲) ابن خلکان صفحہ ۱۵ پر ۲ رد بلکہ صفحہ ۱۶ پر ۶ رد کی یاددہانی جملہ ۸ رد۔

(۸۳تا۸۹) مبسوط وغیرہ صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر ۷ رد۔

(۹۰تا۹۲) صراح قاموس تاج العروس، صفحہ ۱۸ پر ۳ رد۔

(۹۳تا۹۶) حمیدیہ وحدیث والہداد سے استناد صفحہ ۱۸ پر ۴ رد۔

(۹۷) ظہیریہ صفحہ ۱۹ پر ایک رد

(۹۸و۹۹) منار صفحہ ۱۸ پر ۲ رد۔

(۱۰۰تا۱۰۳) ابن الہمام توارث ۴ رد۔

(۱۰۴تا۱۱۱) عینی وحمیدیہ صفحہ ۲۲و۲۳ پر ۳ رد۔ اور مبسوط وغیرہ کے ساتھ صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر ۵ رد۔

کل ۱۸ عبارات وروایات منقول اشتہار سے استدلال پر مجموع اٹھاون رد تھے، آپ آنکھوں پر ٹھیکی رکھ کر سب ہضم فرماگئے کہ روایات کا جواب ندارد، خداحیادے۔

(۱۱۲) ''بُرے الفاظ معائب کا بازار گرم، سوداگری محلّہ میں سوا اس کے اور کیا ہے، ہم سے گالیاں دینا آتا نہیں''۔

یہ اپنے خصم پر افترا ہے، مولوی صاحب آپ کو کیا گالی دی، ہاں آپ نے افترا کذب، عناد، وجہالت وغیرہ کمالات دکھائے، نجو خاں کے گھیر میں ان کے سوا کیا تھا، وہ گنادیئے گئے اگر افترا کو افترا، کذب کو کذب، عناد کو عناد، جہالت کو جہالت کہنا گالی ہے، تو آپ کے نزدیک کلام مجید معاذ اللہ گالیوں سے بھرا پڑا ہے۔

(۱۱۳) اپنی ''آثار المبتدعین'' دیکھیے، آپ کے ابلیس مبتدع مفتری بے ایمان کیا کیا کچھ کہہ چکے۔ اور آپ کے حمایتی دشمنِ خدا ورسول، دشمن محبوب رب المشرقین، کیا کیا لکھ گئے، وہ آپ کو برا نہ لگا، وہ خود اس اشتہار ناپاک میں محض بے ایمانی سے جو کہا وہ آگے آتا ہے، ہاں فرق یہ ہے کہ آپ اور آپ کے حمایتیوں نے جو لکھا محض ناحق وملعون تھا، اور

ہم نے اس سے ہزار ہا درجہ ہلکا جو کچھ بیان حالت کو لکھا یقیناً حق ہے، شاید آپ کی شریعت میں یہ مسئلہ ہو کہ حق کہا جائے تو گالی ہے، اور ناحق بکا جائے تو شیر مادر۔

(۱۱۴) ''ہم سے ضلع جگت بولنا نہیں آتا''۔

یہ بھی افترا ہے، آپ کے ساتھ کیا ضلع جگت بولا گیا ہے، یہ کہ دہقانیوں سے اردوئے معلیٰ کا مقابلہ ہو نہیں سکتا، لہذا انگور کھٹے۔ آس پاس کے اور بعض دہقانی بھی اپنی گنوروُزبان کا عیب یوں ہی ڈھانکتے ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ جن شیاطین نے اللہ عز جلالہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سڑی سڑی گالیاں چھاپیں ان اشقیا کو برا کہا، اور ان سنی مسلمان بننے والوں کی تہذیب میں آگ لگی بلکہ وہ خبثا تو اللہ ورسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کو کھلی کھلی گالیاں دیں اور انہیں کوئی پہلو دار لفظ کہا اور ان سنی نماؤں کی تہذیب کو دھکا لگا، اور ان کے بابا جان کو کوئی آدھا حرف کہے تو دیکھیے کیسے جامہ سے باہر ہوتے ہیں، تہذیب وہذیب سب بالائے طاق رہتی ہے۔ یہ حال ہے ان کے دلوں میں اللہ ورسول۔ جل جلالہ۔ کی تعظیم وایمان کا۔

(۱۱۵) ''ہم نے جن کتب سے استناد پکڑا ہے، جن کو مولانا صاحب نامعتبر اور مجہول کہتے ہیں، قرآن شریف صحاح ستہ، کتب فقہ معروفہ متداولہ ہیں''۔

مولوی صاحب دیکھیے آپ نے تو ''آثار المبتدعین صفحہ ۵۷'' میں کھلی ہوئی بے ایمانی، جیتی مکھی نگلنا، صریح بے ایمانی سے کہا تھا، یہاں یہ اپنے خصم پر افترا اپنا دیکھیے، کہ جیتی مکھی کے ساتھ ایمان نگل جانا ہے، خدا کو ایک اور قیامت کو حق جانتے ہو تو بتاؤ کہ آپ کے خصم نے معاذ اللہ کہاں قرآن عظیم کو نامعتبر ومجہول کہا ہے۔

(۱۱۶) کہاں صحاح ستہ کو نامعتبر ومجہول کہا ہے۔

(۱۱۷) کنز، ہدایہ، فتح القدیر وغیرہا شرح مسکین کے سوا تیرہ نام جو آپ نے یہاں گنائے کہاں ان کو نامعتبر ومجہول کہا ہے، سچ فرمایا قرآن عظیم نے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (۱)

اشتہار غرہ ذی القعدہ جس سے آپ سو روپے کے اشتہاری ہیں، اور ڈھائی گنا مدت مہلت گزر جانے پر اس اشتہار جدید میں یہ ناپاکیاں آپ کی زبان پر جاری ہیں، اس میں یہ لفظ تھے: ''نامعتبر و مجہول کتابوں سے بھرتی بھردی''

کسی ادنیٰ اردو زبان داں سے پوچھ دیکھیے، کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جتنی کتابوں کا نام ''آثار المبتدعین'' میں لیا سب نامعتبر و مجہول ہیں، بلکہ یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کو یہ شدید دھوکا دیا کہ سو کتابوں سے سند دی، حالاں کہ اس کی ناگفتنی حالت یہ ہے۔ اس کے بعد آپ کی دس جہالتیں گنائیں جن میں چھٹی جہالت یہ ہے کہ: نامعتبر و مجہول کتابوں سے بھرتی بھردی، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سو کا بھرت پورا کرنے کو بھرتی میں نامعتبر و مجہول کتابیں بھردیں، نہ یہ کہ سو کی سو سب نامعتبر و مجہول ہیں۔

عقل مند خاں بھرتی ''حشو'' کو کہتے ہیں، ''حشو'' شی پر زیادت ہوتا ہے، نہ کہ تمام شی ''حشو'' ہو، اب جاڑے کا موسم آتا ہے، رضائی لحاف بھرواؤ، تو دیکھ لینا کہ بھرتی روئی ہے، نہ کہ ابرہ اور استر، کچھ نہیں، نری روئی ہے۔ یا شاید آپ نری روئی ہی اوڑھا کرتے ہوں۔

رسالہ ''مقتل کذب وکید'' آپ پر پہنچ گیا، جس کی رسید میں آپ نے برخلاف حکم قرآن وتصریح ائمہ اسلامی ماہ وسال وتاریخ کو پس پشت ڈال کر سب انگریزی اختیار کیے ہیں، ہم اس رسید کو یہاں نقل کردیں کہ اہل علم واہل ذوق اس کی انوکھی طرز تحریر و بلاغت بے نظیر سے بھی مستفید ہوں، اور مسلمانوں کو یہ بھی معلوم رہے کہ ہزار ضرب آپ پر کب سے نازل ہیں، اور آپ میں دم نہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

میں کہ محمد عبد الغفار خان ولد مولوی محمد خان قوم پٹھان ساکن شہر رامپور محلّہ گھیر نجو خان، کتاب مرسلہ مولوی احمد رضا خان معدن کذب وافترا، مخزن جور و جفا، مسمیٰ ''مقتل

---

(۱) [سورۃ النحل:۱۰۵]

کذب'' پہنچی معرفت شفیق احمد بتاریخ ۱۹/اکتوبر ۱۹۱۴ء بقلم خود(۱)۔

علما علمی کتب کی رسیدیوں لکھا کرتے ہیں۔علما کو جانے دیجیے کوئی سمجھ وال کا یست بھی اس سے اچھی لکھتا،اور اوپر عنوان تو لکھا مگر یہ الفاظ کیوں چھوڑ دیے کہ.....

''بحالت علت نفس وزوال عقل بے طوع ورغبت بجبر واکراہ اقرار فاسد غیر شرعی کرتا ہوں،اور لکھے دیتا ہوں''۔

اور اخیر میں یہ کیوں نہ لکھا کہ......

''لہذا یہ چند کلمے بطور رسید لکھ دیے کہ سند نہ ہو،اور عندالحاجۃ کام نہ آوے''

ہاں کتاب کی صفت ''مرسلہ'' یہ ضرور کا یستھوں کی سی ہے،کہ پنچ مقبولہ فریقین،اور بقلم خود تو دیکھیے کیا موقع سے ہے، خدا جانے اکتوبر نے بقلم خود لکھا۔یا ۱۹۱۴ء نے۔

خیر یہاں یہ گزراش منظور ہے کہ ''مقتل کذب وکید'' تک آپ کی رسائی ہوگئی ،جس کا خلاصہ یہ اشتہار یکم ذی القعدہ تھا،اس کے صفحہ ۱۰ پر اپنے کمالات کی اقسام میں دیکھیے!

''قسم ۷ نا معتبر ومجہولات سے بھرتی بھردی،مثلاً برہنہ، رحمانیہ ،زاد التقوی، نقشبندیہ،نورالمسلمین۔اوران سے دونی اور ہیں''

ان کو نا معتبر ومجہول کہا۔یا خاک بدہن افترا، معاذ اللہ! قرآن عظیم وصحاح ستہ وکتب معتمدہ فقہ کو۔

(۱۱۸)ہاں اس میں جو آپ نے ''شرح ملا مسکین'' گنی وہ ضرور مجہول کتاب ہے،آپ تو بہت بچا بچا کر یہ ۱۴ نام انتخابی لاے تھے،مگر جہالت بھی پیچھا چھوڑے،اس

---

(۱) یہ تاریخ ہم مسلمانوں کے یہاں ۲۷/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ تھی،رسالہ ۲۵/کو چھپ کر شائع ہوا،۲۷/کو مولوی صاحب پر پہنچ گیا۔۱۲

نے منجملہ مجاہیل ایک نام گنوا ہی دیا، شرح اشباہ محقق ہبۃ اللہ بعلی۔ پھر ردالمحتار میں شیخ صالح جتینی سے ان کتابوں کے بیان میں جن سے فتویٰ دینا جائز نہیں، شرح ملا مسکین و جامع الرموز کو گنا اور اس کی وجہ مصنفوں کا مجہول ہونا لکھا، کہ ''أو لعدم الإطلاع على حال مؤلفيها كشرح الكنز للملا مسكين وشرح النقاية للقهستاني''

(۱۱۹) ذرا اپنی فہرست ٹٹولنا، اس میں دوسری مجہول و نامعتبر ''جامع الرموز'' تو نہیں۔

(۱۲۰) فہرست کیوں ٹٹولیے، اپنی ''آثار المبتدعین'' ہی دیکھیے کہ اسی جامع الرموز کی ایک نقل محتمل بے سود کے بھروسے، ممانعت اذان فی المسجد میں تصریحات اکابر ائمہ کو باطل کیا ہے۔

(۱۲۱) صلاۃ مسعودی کے جھوٹے حوالے کا عذر کیا معقول ہے کہ ''صلاۃ مسعودی'' اس وقت جب ہم نے رسالہ لکھا تھا، ہم کو نہیں ملی تھی، ہم نے جُنگ مولوی غفران سے نقل کی تھی، ہم پر کوئی الزام نہیں، ہم نے جہاں سے نقل کیا اس میں یہ عبارت موجود ہے۔

اول تو یہ بھی صریح جھوٹ ہے، سچے تھے تو کیوں دکھانے سے فرار کی، اور بفرض غلط اگر ہوتا بھی تو جنگ کی کیا سند، یوں اپنی جُنگ میں آپ جسے چاہیں مستند ٹھہرالیں۔

(۱۲۲) آپ نے تو لکھا ہے: ''استثنا دیکھیے: اذان در مسجد مکروہ است مگر اذان بر منبر ۱۲، صلاۃ مسعودی''۔ تو آپ پر صلاۃ مسعودی میں دکھانا لازم ورنہ آپ پر الزام قائم۔

(۱۲۳) اسقاط واسطہ کا الزام کاتب کے سر ڈھالتے ہیں کہ..

''غایۃ الامر کاتب کے سہو سے رسالہ میں جنگ کا حوالہ نقل سے رہ گیا، یہ بھی سیاہ عجز کے وقت کا سپید جھوٹ ہے، وہ تو قسم کھائی ہے کہ بے جھوٹ کے ایک قدم نہ چلیں گے، یاد ہو جب آپ کو یہاں سے مطالبہ تصحیح نقل کا خط گیا ہے، تو آپ نے کیا جواب لکھا یہ کہ....

''جناب جامعیت انتساب مولوی حامد رضا خاں صاحب دام مجدکم بعد سلام مسنون مدعا نگار صلاۃ مسعودی کی تصحیح جو طلب ہے اس سے اگر رجوع مقصود ہے تو فہو المراد(۱) عبارت کی صحت کیا، کتاب پیش کرنے میں مجھے تامل نہیں''

کہیے آپ تو کتاب پیش کرنے کو موجود تھے، اب وہ کتاب آپ کی جُنگ نے اڑادی، اور جنگ کا نام کاتب نے اڑادیا، غرض قصور معاف:

عیار ہو مکار ہو جو آج ہو تم ہو — بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۱۲۴) اور اس ظلم کو دیکھیے کہ...

''جو تصحیح نقل کرے وہ اپنے مذہب سے رجوع کرے، ورنہ مطالبہ صحت کا اختیار نہیں''

جھوٹی نقلوں والے مطالبہ کے وقت بیان بچانے کو ایسی ہی الٹیاں گاتے ہیں۔

(۱۲۵) لطف یہ کہ...

''صحت کیا کتاب پیش کرنے میں تأمل نہیں''

گویا صحت بے کتاب پیش کیے ہو جاتی،

غرض: خدا عقل دے، حیا دے، ایمان دے، آمین۔

فہرست کتاب

علمی دنیا میں ایک اہم باب کا اضافہ

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کا پروگرام

قدیم زمانہ سے متن اور شرح کی کتابوں پر حاشیہ لکھنے کا رواج چلا آرہا ہے، حاشیہ نگاری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کتاب کی عبارت میں جو اسرار ونکات پوشیدہ ہیں ان کو واضح کردیا جائے۔ یا پھر عبارت میں جو فنی کوتاہی ہے اس کو اجاگر کردیا جائے۔ ان مقاصد کے پیش نظر سیکڑوں کتابوں پر حاشیے تحریر ہوئے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے بھی بہت ساری کتابوں پر محققانہ حواشی تحریر فرمائے ہیں، نہایت کوشش وتلاش کے بعد "امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف" کو ایک سو پچاس عربی کتابوں کے حواشی دستیاب ہوئے، ان کتابوں میں کوئی پانچ جلدوں اور بعض دس بیس جلدوں کی ضخیم کتابیں بھی ہیں۔ ان حواشی پر سو سال سے کوئی کام نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حواشی ان کتابوں سے نقل کر لیے گئے تھے اور پھر اصل کتابیں ناپید ہوگئیں جو تلاش بسیار کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوئیں۔ لہذا اب جو حاشیے ملے ہیں وہ اصل کتاب کے مختصر لفظ یا جملوں کے ساتھ تحریر ہیں، اس لیے اب اصل کتابوں سے وہ عبارتیں تلاش کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے، چناں چہ اس سلسلہ میں غور وفکر کیا گیا، مہینوں جستجو ہوتی رہی کہ کیا طریقہ اپنایا جائے، بحمدہ تعالیٰ کامیابی ملی اور اب اکیڈمی کے زیر اہتمام علمائے کرام کی ایک جماعت ان حواشی میں منقول الفاظ اور

/ ۲۰۱۹ء میں اعلیٰ حضرت کا صد سالہ عرس ہوگا، اس موقع پر بلکہ اس سے پہلے ہی دو سو جلدوں کے قریب یہ علمی سرمایہ انشاء المولیٰ تعالیٰ قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے کام کے لیے ایک طرف اہل علم کی سرپرستی ضروری ہے تو وہیں دوسری طرف اہل ثروت اور دینی کاموں میں حصہ لینے والے مخیّر حضرات کی ضرورت بھی اہم ہے، لہٰذا قوم وملت کے اہل خیر حضرات اس طرف ضرور متوجہ ہوں تا کہ جلد از جلد یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام کاموں کو مکمل کرنے اور کرانے اور ہر طرح کی مدد کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین یا رب العٰلمین بجاہ سیدالمرسلین . علیه التحية والتسليم

اعلیٰ حضرت کی پانچ سو کتابوں کی تخریج وترتیب جدید

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے وصال کو تین سال بعد ۱۴۴۰ھ میں ایک سو سال پورے ہو جائیں گے۔ لہٰذا اہل سنت و جماعت اپنے محسن کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ضرور پروگرام بنا رہے ہوں گے، کوئی جلسہ کی شکل میں تو کوئی جلوس کی شکل میں، اسی طرح کوئی سیمینار، سمپوزیم، کانفرس وغیرہ کے ذریعہ اس صد سالہ عرس کو منائے گا۔

''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف اور رضا اکیڈمی ممبئی'' کے ارباب حل وعقد نے صد سالہ عرس کو جشن تصانیف رضا کے طور پر منانے کا عزم کیا ہے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں جو دستیاب ہوگئی ہیں ان سب کو جدید کمپوزنگ، فارسی وعربی عبارات کے ترجمے، اصل حوالوں کی تخریج اور ترتیب جدید کے ساتھ شائع کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے اور کام شروع ہو چکا ہے، ایسی کتابوں کی تعداد پانچ سو تک ضرور پہنچ جائے گی، ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ بھی ہو جائیں، ایک سو سے زیادہ کتابوں پر کام مکمل ہونے کے قریب ہے، امید ہے کہ اس سال عرس رضوی میں ہم دو سو کتابیں منظر عام پر لے آئیں گے۔

اکیڈمی کے زیر اہتمام علمائے کرام ان تمام کاموں میں مصروف ہیں۔

اہل خیر حضرات اور دینی کاموں میں حصہ لینے والے خاص طور پر توجہ فرمائیں تاکہ جلد از جلد یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچے۔

مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام کاموں کو مکمل کرنے اور کرانے اور ہر طرح کی مدد کرنے کی توفیق بخشے۔

آمین یا رب العلمین بجاہ سیدالمرسلین . علیہ التحیۃ والتسلیم

فتاوی رضویہ قدیم ۱۲؍جلدوں کی تکمیل اور تخریج و ترتیب جدید

عرصہ دراز سے فتاوی رضویہ کی بارہ جلدوں کی شہرت ہے، چند سال سے ترجمہ و تخریج کے ساتھ یہ تیس جلدوں میں بھی چھپ رہی ہے، "امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف" نے چار پانچ سال قبل یہ پروگرام بنایا تھا کہ بارہ جلدوں کی ترتیب جدید، تخریج اور تکمیل یعنی جو رسائل اس میں شامل ہونے سے رہ گئے یا غیر مرتب انداز میں شامل ہوئے ان سب کو ترتیب سے فتاوی میں شامل کیا جائے اور جدید کمپوزنگ کے ساتھ اس کو شائع کیا جائے۔

بہت سے احباب کی رائے ہوئی کہ جلدیں بارہ (۱۲) ہی رہیں خواہ ضخیم ہو جائیں، اس لیے کہ ۱۲؍جلدوں کے بارے میں خود اعلیٰ حضرت سے صراحت منقول ہے اور آج تک غیر مترجم کی ۱۲؍جلدیں ہی چھپتی آئی ہیں۔ لہذا اس پر غور ہوا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ سائز حسب سابق رہے گا اور جلدیں بھی ۱۲؍ہی رہیں گی مگر اب کوئی جلد ایک ہزار صفحات سے کم نہ ہوگی بلکہ زیادہ ہی ہوں گی۔

واضح رہے کہ قدیم ۱۲؍جلدوں میں فتاوی کے علاوہ ایک سو بیس (۱۲۰) رسائل رضویہ شامل ہیں۔ مگر ہماری اس جدید اشاعت میں رسائل کی تعداد (۲۲۰) سے بھی زیادہ ہوگی، اور موجودہ جلدوں کے صفحات آٹھ ہزار کے قریب ہیں، ہماری اشاعت میں صفحات بارہ ہزار

سے بھی زیادہ ہوں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ اعلیٰ حضرت کے بہت سے فتاوی ان جلدوں میں وہ بھی ہوں گے جو اس سے پہلے کسی اشاعت میں نہیں تھے، یہ بعد میں دستیاب ہوئے ہیں اور ان سب کا حوالہ بھی ہوگا۔ ایسے فتاوی بھی دوسو سے زیادہ ہوں گے۔

لہذا فتاوی رضویہ پر کام شب وروز جاری ہے اور اس کی پروف ریڈنگ کا کام تیسرے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ چوتھا مرحلہ ہندوستان کے کہنہ مشق مفتیان کرام کے حوالہ ہوگا اور ان کی جانب سے تائید کے بعد نہایت جلد اس کو شائع کردیا جائے گا۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں ان تمام کاموں کو مکمل کرنے کی توفیق بخشے۔

آمین یا رب العلمین بجاہ سیدالمرسلین . علیہ التحیۃ والتسلیم

امام احمد رضا..........حیات وکارنامے

یعنی

اعلیٰ حضرت کی سیرت وسوانح اور دینی خدمات وعلمی کارناموں پر عظیم انسائیکلوپیڈیا

پچیس جلدیں

امام احمد رضا قدس سرہ کی عبقری شخصیت پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ باقی ہے۔ لکھنے والوں کی کمی نہیں، جو جہاں ہے وہیں لکھ رہا ہے، درجنوں ماہناموں نے نمبر شائع کیے، پچاس سے زیادہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھے گئے، سیکڑوں کتابیں تحریر ہوئیں اور ایک ہزار سے زیادہ مضامین قلم بند ہوئے۔ یہ تمام ذخیرہ ہزاروں صفحات میں متفرق طور پر اہل ذوق کے یہاں محفوظ ہے۔

فتاویٰ مفتی اعظم مکمل سات جلدیں

امام الفقہاء والمشائخ تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے فتاوی اب جدید ترتیب، ترجمہ وتخریج، اور بہت سے فتاوی ورسائل کے اضافہ کے ساتھ گزشتہ سال عرس رضوی کے موقع سے سات جلدوں میں پہلی بار منظر عام پر آچکے ہیں۔

بحمدہ تعالیٰ اہل علم نے اس کو خوب خوب سراہا اور باذوق حضرات نے ہاتھوں ہاتھ لیا، چنانچہ چند ماہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ اب دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آگیا ہے اور گزشتہ ایڈیشن کے مقابلہ میں کچھ مزید خوبیاں لانے کی کوشش کی گئی ہے، فتاوی کا قدرے تعارف یہ ہے کہ اس میں تقریباً پانچ سو فتاوی اور دو درجن رسائل ہیں۔ پہلی جلد میں علم فقہ وفتاوی کی تاریخ وتدوین اور ہر صدی کے فتاویٰ کی اجمالی فہرست ہے، ساتھ ہی حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی سیرت وسوانح کی تفصیلات بھی اسی جلد میں ہیں۔

فتاویٰ کی ترتیب میں جدید اسلوب اپنایا گیا ہے، ہر فتوے کی مناسبت سے ایک سرخی قائم کی گئی ہے جو اس کا عنوان ہے اگرچہ اس فتوے میں اس مسئلہ کے علاوہ دوسرے ضمنی مسائل بھی ہیں۔ رسائل کے آغاز سے پہلے ان کا تعارف بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو اس کے ذریعہ بصیرت حاصل ہوجائے کہ رسالہ کن مسائل پر مشتمل ہے۔

کاغذ عمدہ۔ خوبصورت اور مضبوط جلدیں۔ اندرونی ٹائٹل چار کلر میں۔ مکمل سات جلدیں
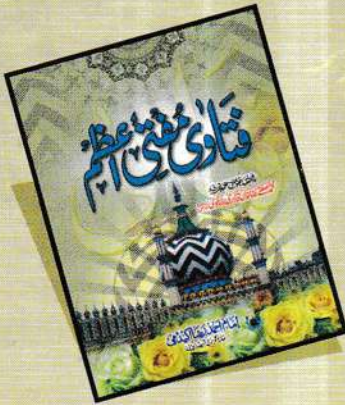
سائز: ۸=۳۰×۲۰

ہدیہ عام: -/3500

چونکہ کام اتنا زیادہ پھیل گیا ہے کہ سب کا احاطہ ہر ایک شخص کے بس کی بات نہیں رہی، ایک شخص کسی لائبریری یا کتب خانہ سے رضویات کے متعلق کوئی کتاب حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے انتخاب کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سی کتاب رضویات کو جامع ہے اور کون سے نہیں۔ ایک کتاب یا چند کتابیں حاصل کر کے پڑھتا ہے تو اس کی سیرابی تو کم ہوتی ہے بسا اوقات تشنگی اور بڑھ جاتی ہے۔ ساتھ ہی ریسرچ اسکالروں کو بھی تمام میٹریکل نہ ملنے کے باعث پریشانیوں کا سامنا رہتا ہے۔

لہذا ان تمام دشواریوں پر قابو پانے کے لیے اکیڈمی کے ارباب حل وعقد نے فیصلہ کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے صد سالہ عرس منعقدہ ۱۴۴۰ھ میں امام احمد رضا کی سیرت و خدمات پر ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا تیار کر کے ہدیہ قارئین کیا جائے۔ الحمد للہ یہ کام شروع ہو چکا ہے اور اکیڈمی نے اہل علم کو یہ ذمہ داری سونپ دی ہے اور وہ اس کام کو نہایت جامع انداز میں ایک اندازہ کے مطابق ۲۵ / جلدوں یا زیادہ میں مکمل کریں گے۔ پھر انسائیکلو پیڈیا کی شکل میں یہ مجموعہ حیات و کارناموں کے تمام گوشوں کو محیط ہوگا۔

مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام کاموں کو مکمل کرنے اور کرانے اور ہر طرح کی مدد کرنے کی توفیق بخشے۔

آمین یا رب العٰلمین بجاہ سیدالمرسلین . علیہ التحیۃ والتسلیم

رابطہ کا پتہ: امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر

بریلی شریف، یوپی (انڈیا)

08410236467,09760381629